نجیب عمرخیل

(نجیب الدولہ)

مترجم

پروفیسر محمد نواز طائر

زیر نگرانی

پروفیسر ڈاکٹر نصراللہ جان وزیر

ڈائریکٹر پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی

پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی

سلسلہ مطبوعات نمبر 659

کتاب کا نام	:	نجیب عمر خیل (نجیب الدولہ)
مترجم	:	پروفیسر محمد نواز طائر
سال اشاعت	:	2016
کمپوزنگ	:	عابد خان ریگی (موبائل نمبر:03119279166)
سیٹنگ	:	ارشاد خان پشتو اکیڈیمی پشاور
تعداد	:	500
مطبع	:	جدون پرنٹنگ پریس پشاور
قیمت	:	200روپے

I.S.B.N: 6-098-418-969-978

انتساب

نجیب عمر خیل (نجیب الدولہ)

کے نام

سرگزشتِ نجیب الدولہ

نجیب خان جسے ہندوستان کی تاریخ میں نجیب الدولہ کے نام سے یاد کیا جاتاہے اور ہندوستان میں زوال پذیر مغلیہ سلطنت کے آخری ایام کے کے انتہائی قابل ترین جرنیل اور امیرالامرا بھی رہ چکے ہیں ، نسلاً افغان اور یوسفزئی قبیلے کی ذیلی شاخ عمر خیل سے تعلق رکھتے تھے جس کی جائے مسکنت ضلع صوابی کے موضع مانیرئی بتائی جاتی ہے ۔اگرچہ آپ کی تولد ایک عام غریب گھرانے میں ہوئی تھی لیکن اپنی بے پناہ صلاحیتوں اور خداداد قابلیت کے بل بوتے پر نہایت قلیل عرصے میں ہندوستان کی مغلیہ سلطنت کے آخری ایام میں تقریباً دس سال تک تمام سیاہ وسفید کے مالک رہے۔

چوں کہ آپ کا تعلق کسی امیر یا دربار سے وابستہ خاندان سے نہیں رہاہے اس لیے آپ کے بچپن اور عہدِ جوانی سے متعلق تاریخ میں زیادہ معلومات میسر نہیں تاہم ہندوستان میں آپ کی حیات اور کارہائے نمایاں سے متعلق جو معلومات میسر ہیں اس کے بنیادی ماخذ آپ ہی کے زمانے کے ایک وقائع نگار نورالدین کی ''سرگزشتِ نجیب الدولہ ''پر مبنی رہے ہیں جس کی سنہ تحریر کے بابت ترجمہ مذکورہ میں قوی شہادت میسر نہیں۔اس کے علاوہ ورگاداس کی تحریروں میں بھی آپ سے متعلق کچھ تفصیل پائی جاتی ہے ۔ لیکن اس سلسلے میں بنیادی ماخذ نورالدین کی سرگزشتِ نجیب الدولہ قرار پاتی ہے

جس کا علی گڑھ یونیورسٹی کے پروفیسر شیخ عبدالرشید نے انگریزی میں ترجمہ کیا ہوا ہے۔ اس طرح پروفیسر محمد نواز طائر صاحب کا زیرِ نظر اردو ترجمہ بھی پروفیسر شیخ عبدالرشید کے انگریزی ترجمہ سے اخذ شدہ ہے۔ (بہتر ہوتا کہ مترجم پروفیسر محمد نواز طائر صاحب اس کی اولین یا بنیادی ماخذ یعنی سرگزشتِ نجیب الدولہ کی فارسی متن کے حوالے سے آئندہ کے محققین کے لیے اشارے رکھ دیتا)۔

سرگزشتِ نجیب الدولہ کے انگریزی متن کا نواز طائر صاحب کے ہاتھوں لگنے کی کہانی بھی اگرچہ کچھ عجیب اور دلچسپ قسم کی ہے۔ لیکن قصہ مختصریوں کہ پروفیسر صاحب کو یہ کتاب پروفیسر شیخ عبدالرشید نے اس وقت دی تھی جب آپ زمانہ طالب علمی میں ہندوستان کے مطالعاتی دورے پر گئے ہوئے تھے۔ اس وقت سے لیکر سال 2012 تک یہ کتاب آپ کی ذاتی لائبریری میں بنا مطالعہ کے پڑی رہی۔ اس بابت پروفیسر موصوف فرماتے ہیں کہ: میرا خیال تھا کہ یہ کسی مغل شہزادے یا کسی مغل امیر الامراء کے حالات زندگی سے متعلق کتاب ہوگی، اس لیے میں نے خاص توجہ نہیں دی۔ تاہم سال 2012 میں ایک دن جب مَیں اپنی لائبریری کی ازسر نو ترتیب میں مشغول تھا تو اس کتاب کو غور سے پڑھنے کے لیے بیٹھا تو اس کے مندرجات میں یوسفزئی افغان کے ایک ایسے سپوت کا احوال پایا جو:۔

”کہ ایک معمولی پیادہ سپاہی اور جمعدار کی حیثیت سے جاکر امیر الامراء کے مقام تک پہنچا اور دہلی کی مغلیہ سلطنت کے تمام سیاہ و سفید کا مالک بنا اور پورے دس سال تک وہ بلا شرکتِ غیرے اقتدار کی چوکی پر قابض رہا۔ آپ ایک باکمال انسان تھے۔ جو کہ

ایک بے مثال مردِ میدان ' جری سپاہی اور مدبر سیاست دان کی حیثیت سے ہندوستان کے افق پر ایک چمکتا ہوا ستارہ بن کر نمودار رہا۔ آپ افغانوں کی ہمت اور مردانگی کے مجسم پیکر تھے"۔

پروفیسر موصوف نے نجیب الدولہ کی حیات اور آپ کی بے مثال شجاعت اور دلیری سے متعلق اس مختصر سی تاریخی سرگزشت کا ہر دو زبانوں یعنی اردو اور پشتو میں نہایت سلیس اور عام فہم ترجمہ کیا ہے۔ جہاں تک اس کتاب کو اردو میں پیش کرنے کا تعلق ہے تو اردو میں پیش کرنے کو شاید اس لیے فوقیت دی گئی ہے کہ اس شخصیت سے متعلق تاریخ میں جو خلا قدرے رہ گئی ہے ' اس کی اردو اشاعت سے نہ صرف وہ خلا پر ہو جائے گا بلکہ از خود افغانوں کی فکر و نظر کو بھی وسعت حاصل ہو جائے گی۔

چوں کہ نجیب الدولہ انتظامی اور نظامی صلاحیتوں کے لحاظ سے بے شمار خوبیوں کے مالک تھے اور انہی خداداد صلاحیتوں کی بنا پر آپ نہایت ہی قلیل عرصے میں مغلیہ دربار میں امیر العساکر ' امیر الامراء اور نجیب الدولہ جیسے مراتب اپنے نام کرانے میں کامیاب ہوئے تھے۔ آپ انتہائی زیرک اور دوراندیش انسان تھے ہندوستان کے اس وقت کے سیاسی حالات پر آپ کی گہری نظر تھی اس لیے وہ ہندوستان میں مسلمانوں کے مستقبل کے حوالے سے کافی فکر مند رہے۔ اس حوالے سے آپ کی سیاسی بصیرت اور دوراندیشی کا اندازہ آپ کی اس رائے سے باآسانی اخذ کیا جاسکتا ہے جو آپ نے احمد شاہ ابدالی کو پانی پت کے میدان میں مرہٹوں اور جاٹوں کے خلاف فیصلہ کن جنگ لڑنے کے موقع پر دی تھی۔

آپ کی رائے سے چند جملے پیش کیے جاتے ہیں :

" اکثر درباری امراء اور نائبین اس حق میں ہیں کہ مرہٹوں کے ساتھ صلح کی جائے مگر میرا اپنا خیال یہی ہے کہ اس بات میں کسی قسم کی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ مرہٹے سرزمین ہند کا کانٹا ہیں اگر ان کو راستے سے ہٹا دیا گیا تو پھر جب بھی آپ نے چاہا تو ہندوستان کی سرزمین پر آپ کا تصرف اور حکومت قائم ہو سکے گا۔اب یہ فیصلہ اپ نے کرنا ہے۔ جو آپ کی مرضی ہو گی وہی کچھ کیا جائیگا۔ میں نے اپنا عندیہ آپ کے حضور من و عن پیش کیا۔ میں تو ایک سپاہی ہوں اپنے فرض سے واقف ہوں اور ہر اس کا ساتھ دینے کا سلیقہ رکھتا ہوں کہ کسی صورت میں حکم عدولی نہ کروں اور اس بات سے متفق ہو جاوں جو صائیب اور متفقہ ہو۔

پھر جب اسے یہ پتہ چلا کہ شجاع بھی صلح کے حق میں ہے تو اس نے کہا کہ شجاع اس شخصیت کا فرزند ہے جسے میں نے اپنا مربی اور آقا تسلیم کیا تھا اور اس کو بھی اسی رتبے میں رکھتا ہوں۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ ابھی وہ نوجوان ہے اور دنیا کے کاموں کی اتنی سمجھ نہیں رکھتا۔ وہ اس بات سے بے خبر ہے کہ معاملہ کی تہہ میں کیا کچھ ہے۔ یہ رویہ خود فریبی کے مترادف ہے۔ اس لئے کہ جب ایک دشمن شکست خوردہ اور کمزور ہو جائے تو وہ بے بسی کے عالم میں سبھی کچھ ماننے پر آمادہ ہونے کو تیار ہوتا ہے۔ اور بات چیت کے دوران حلفیہ وہی کچھ ماننے کو تیار ہو جاتا ہے کہ آپ جو کچھ کہیں ان کو منظور ہو گا۔ مگر قسمیں کھانا اور حلفیہ باتیں کرانا کوئی ہتھکڑیان یا زنجیریں تو نہیں ہوتی کہ کسی کو باندھے رکھے۔ یہ تو محض باتیں ہوتی ہیں اب دشمن کو اس حد تک

زیر کرنے کے بعد اگر آپ اس کو آزاد چھوڑ جائیں تو کیا خیال ہے کہ وہ اس موقع کی تلاش میں نہیں رہیگا کہ اپنا کھویا ہوا وقار اور عزت ایک بار میں پھر بحال کر سکے۔"

احمد شاہ ابدالی کو قائل کرنا اور دسروں کے برعکس احمد شاہ ابدالی کا آپ کی رائے کو فوقیت دینا اور اس کو قابل عمل بنانے کے لیے آپ ہی کو مرہٹوں کے خلاف جنگ کی قیادت سونپ دینا 'آپ ہی کی سیاسی تدبر ' قائدانہ صلاحیتوں اور دوراندیشی کا بین ثبوت ہے۔ جب کہ احمد شاہ ابدالی نے آپ کی اس رائے کو کچھ یوں سراہا :

"تم سچ کہتے ہو۔ میں تمہارے مشورے سے متفق ہوں اور کوئی تجویز اس کے برعکس مجھے منظور نہیں ہوگی۔ شجاع الدولہ نوجوان ہے۔ ابھی وہ اتنا تجربہ نہیں رکھتا اور مرہٹے شاطر اور چالاک ہیں ان کی ظاہری صلح جوئی کا کوئی اعتبار نہیں"۔

الغرض یہ مختصر سی کتاب پشتونوں کے اس عظیم سپوت کے حالات زندگی اور ہندوستان میں آپ کے ان تمام کارہائے نمایاں سے متعلق بحث پر مبنی ہے جسے آپ نے اپنی ذہانت و متانت اور بے لوث خدمت سے اپنے نام کیے تھے۔ آپ بجا طور اس کے لیے داد و تحسین کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ تاہم ہمارا یہ المیہ رہا ہے کہ ہمیں از خود اپنے قومی ہیروز سے متعلق بہت کم آگاہی حاصل ہے۔ یا یہ کہیے کہ ہم دوسروں کی تاریخ میں اپنے لیے ہیروز تلاش کرتے ہیں یا کہیں اپنے قومی ہیروز کو ڈاکو اور لٹیرے ثابت کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔

الغرض نجیب الدولہ سے متعلق اس مختصر سی کتاب کی اشاعت سے پروفیسر موصوف کی یہ آرزو بر آسکتی ہے کہ : امیر الامراء نجیب الدولہ (کے اس) تذکرہ سے کسی کی فکر و نظر کو فائدہ پہنچے تو ہماری مقصد پوری ہو جائے گی۔

جہاں تک ترجمہ اور فن ترجمہ کا تعلق ہے تو یہ بات ہم قارئین و ناقدین پر ہی چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ اس بارے ہیں خود فیصلہ کریں کہ مترجم نے حقِ ترجمہ نگاری اور اصول ترجمہ نگاری کی ادائیگی میں کہاں تک کامیابی حاصل کی ہے۔ البتہ اتنا ضرور کہنا چاہتے ہیں کہ اس فن میں پروفیسر موصوف کی علمی بصیرت اور فنی عظمت سے انکار ممکن نہیں۔ چناں چہ پروفیسر موصوف کا اس تاریخی تذکرے کو اردو میں ہمارے لیے سہل بنا کر لے آنا ' نہ صرف آپ کی تاریخ بینی پر دلالت ہے بلکہ افغانوں کے اس مردِ آہن کی حیات و دیگر کارہائے نمایاں کے بارے میں بھی ہمیں آگاہی فراہم کرتی ہے۔ لہٰذا ہم سمجھتے ہیں کہ پروفیسر محمد نواز طائر صاحب نے حقِ ادب کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ حقِ تاریخ نویسی بھی ادا کیا ہے۔ جس کے لیے اپ بجا طور پر داد و تحسین کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

بہ صد احترام

پروفیسر ڈاکٹر نصر اللہ جان وزیر
ڈائریکٹر
پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی ' خیبر پختونخوا ' پاکستان
مورخہ : 2016-06-03

پشتونوں کی ماضی کا ایک ورق

اپنی تاریخ سے جو کوئی بیگانہ ہو

اس نے اپنے حافظہ سے خود کو محروم کیا۔

ابتدائیہ

شته دے هسې ملغلرې په دریاب کښې
چې بنائست ئې سمندر کښې شو تالا
زیرِ ګلونه عمبر بویه په ځنګل کښې
خوشبوئی ئې شوه برباده په بیدیا

"قسام ازل کی گاڑی کا پہیہ پوری رفتار سے سر زمین ہندوستان میں گھوم رہا تھا۔ یہ اٹھارویں صدی عیسوی کا زمانہ تھا۔ مہم جو سرفروش قسمت آزما یکے بعد دیگرے اس جوش میں آئے ہوئے دیگ کے اندر بلبلوں کی مانند ظاہر ہوتے کچھ دیر کے لئے اس کے اوپر دکھائی دیتے اور پھر اکثر و بیشتر گمنامی کے اس راستے میں کہیں گم ہو جاتے جس پر وہ ظاہر ہو کر نکلے تھے۔"

ایسے مہم جو جوانمردوں میں سے ایک جو کہ ایک پیادہ سپاہی کی حیثیت میں محض روزی روٹی کے عوض ملازم ہو چکا تھا۔ وہ اپنی اس معمولی حیثیت سے آگے بڑھا اور شمالی ہندوستان کی سیاسی افق پر پورے دس سال تک چمکتا رہا۔ اور یہ کہ وہ ان مرہٹوں' جاٹوں اور سکھ حملہ آورں کو پیچھے دھکیلتا رہا۔ جن سے روبہ زوال مغلیہ سلطنت کو اس کے نیست و نابود ہونے اور اس کے اختتام کا خطرہ یقینی طور پر لاحق ہو چکا تھا۔ یہ اس دور کا ایک عمر خیل پٹھان روہیلہ امیر الامراء کی سرگذشت ہے جسے وقائع نگار نورالدین نے

اس زمانہ میں فارسی زبان میں تحریر کیا تھااور جس کاایک نام سرگذشت نجیب الدولہ بھی ہے یہی کتاب اس کے اپنے اصل فارسی متن سے میں نے انگریزی میں منتقل کیا ہے۔

نجیب الدولہ اس مخدوش دور میں رہا ہے۔ اس کے اس دور کے حالات سے خود کو آگاہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان ایام کی سیاسی پس منظر پر دسترس حاصل کی جائے۔ (مترجم رشید)

یہ وہی کتاب ہے جس کے انگریزی متن سے راقم نے اپنے اس زمانہ کے پختونخوا کے باشندوں کی معلومات میں کچھ اضافہ کرنے کی خاطر اسے پشتو اور اردو زبانوں میں ترجمہ کرنے کی ایک کوشش کی ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ جسطرح کہ میں نے اس دور کی ایک اور اہم تاریخی دستاویز جو کہ کسی زمانہ میں پشتو اکیڈیمی پشاور یونیورسٹی کے کتب خانہ کے لئے ایک مائیکرو فلم کی صورت میں انگلستان کی برٹش میوزیم لندن کی لائبریری سے حاصل کی تھی اور جس کی بدولت سولھویں صدی کے ان چند مشاہیر خان کجو، شیخ ملی اور ملک احمد اور کئی ایک اور اکابرین کی پہچان کو ممکن بنا دیا تھا۔ اسی طرح مغل بادشاہ بابر کے ساتھ ان کے روابط سے بھی کچھ نہ کچھ اگاہی ہوئی۔ وہی کتاب جو کہ تواریخ حافظ رحمت خان سے موسوم ہے اس دور کے ایک عظیم المرتبت روہیلہ افغان نواب حافظ رحمت خان شہید کی خواہش پر ان کے ذاتی کتب خانہ کے کتابدار نوشہرہ کے موضع پیر سباک کے ایک فاضل پیر معظم شاہ نے مرتب کی تھی۔ یہی کتاب مسودہ طریق امیر الامراء نجیب الدولہ کے سسر نواب دوندے خان نے حافظ شہید کو اس کی تاریخ سے رغبت کی بنا پر اسے ارسال کی تھی۔ یہی کتاب کچھ عرصہ گذر جانے اور

انگریزوں کا روھیلکنڈ پہ قابض ہونے کے بعد کسی انگریز کے ہاتھ لگی تھی اور اس نے اسے ہندوستان سے انگلستان پہنچا دی تھی۔ اور وہاں پر لندن کے ایک کتب خانہ میں محفوظ کروائی تھی۔

جونہی اس کے مائیکرو فلم کی فوٹو سٹیٹ کاپی میں نے بنوائی اور اس کے پڑھنے کا مجھے موقع ملا تو اسکا ذکر میں نے مرحوم روشن خان سے بھی کیا اور اسکی تاریخی اہمیت مرحوم پر جتادی۔ انہوں نے اپنے نامدار قبیلہ سے اپنی دلی محبت اور پشتون تاریخ سے اپنی بے حد دلچسپی اور لگاؤ کی خاطر اس کتاب کی اشاعت کا سارا خرچہ اپنے ذمہ لے لیا۔ میرا اس کتاب کے مسودہ کے ایڈیٹ کرنے کے بعد جب پشتو اکیڈیمی کی جانب سے یہ کتاب شائع ہوئی اور مرحوم نے کتاب غور سے پڑھی تو موصوف نے اس کی تاریخی اہمیت کے پیش نظر پشتو اکیڈیمی کے اپنے ایک عزیز محترم مولانا محمد اسرائیل سے اسکا اردو میں ترجمہ کرنے کے لئے کہا موصوف نے اسی سال اسکا ترجمہ اردو میں کیا جس کے ہمراہ روشن خان مرحوم نے اضافی نوٹس لگوائے اس سے کتاب کی ضخامت بھی بہت بڑھ گئی اور تاریخ کی کئی گوشوں کو مزید منظر عام پر لایا گیا۔

اس سے وہی تمام تاریخی پس منظر اور گذشتہ حالات منکشف ہوگئے جن سے تمام سڑبنی اقوام بالخصوص یوسفزئی قبیلہ ایک زمانہ میں کابل افغانستان سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے تھے۔ یوں اس قوم کی پشاور' ہشت نگر' کلپانی' صوابی' بنیر' سوات' باجوڑ اور ہزارہ وغیرہ میں اکر آباد ہونیکا سارا تاریخی پس منظر آشکارا ہوگیا۔

اصل کتاب مغل بادشاہ جہانگیر کے زمانہ میں لکھی گئی تھی اور اب یہ اٹھارویں صدی عیسوی کا زمانہ تھا جب پیر معظم شاہ نے مذکورہ کتاب کی تخلیص تواریخ حافظ رحمت خان کے نام لکھی۔

عین اسی زمانہ میں روہیلہ نواب حافظ رحمت خان بڑیچ شہید روہیلکنڈ میں حکمران تھا۔ اسی کے چند اور ہمعصر نواب احمد خان بنگش، نواب دوندے خان اور نواب سعد اللہ خان بھی اپنے اپنے ریاست کے والی اور حکمران تھے۔ یہ سبھی روہیلہ افغان تھے اور نواب دوندے خان مغلیہ سلطنت کے اسی زوال پذیر دور کے امیر الامرا نجیب الدولہ کے سسر تھے۔

نجیب خان موضع مانیریؑ (ضلع صوابی) کا ایک عمر خیل جوان تھا۔ وہ روزگار کی غرض سے روہیلکنڈ ہندوستان جا پہنچا تھا۔ موصوف وہاں نواب علی محمد خان کے پاس محض دو وقت کی روٹی پر ملازم ہوا تھا۔ اسکی حیثیت ایک پیادہ سپاہی کی تھی۔ ایک سال کے بعد اسے ترقی دیکر جمعدار بنایا گیا۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ دو وقت کا کھانا بھی کسی کو میسر آتا تو خوش نصیب کہلاتا۔ اور کسی ملازم کے بارے میں کچھ یوں کہا کرتے تھے۔ کہ دینا، پودینہ باجرے کی روٹی ٹکہ مہینہ، بس اسی پر گذر بسر رہی۔ مگر تاریخ کے اوراق کچھ عرصہ کے لئے اگر مخفی بھی رہ جائیں لیکن ایک نہ ایک دن اندھیرے سے باہر آجاتے ہیں اور آج موضع مانیری کے اس نامی گرامی شخصیت نجیب عمر خیل کی یہ عجیب و غریب اور عبرت انگیز داستان قارئین کے سامنے ہے۔ مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ تواریخ حافظ رحمت خان کے متعارف کرنے پر جو کچھ معلومات اپنی قوم کے سامنے پیش

کر چکا ہوں اب امیر الامراء نجیب الدولہ کا یہ تذکرہ بھی کسی کی فکر و نظر کو فائدہ پہنچانے کے لئے پیش کرتا ہوں۔

اس کار خیر اور تاریخی اہمیت کی دستاویز کی اشاعت کے لئے میں پشتو اکیڈیمی پشاور یونیورسٹی کے ڈائریکٹر پروفیسر ڈاکٹر نصراللہ جان وزیر کا بے حد ممنون ہوں جس کی نگرانی میں بہت قلیل عرصہ میں یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ علاوہ ازیں پشتو اکیڈیمی کے ڈاکٹر محمد جاوید خلیل اور ڈاکٹر شیر زمان سیماب بھی میرے تشکر کے حقدار ہیں۔

وما توفیقی الا باللہ

محمد نواز طائر

ٹیکاؤ منزل تھانہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نہ افغانیم و نے ترک و تاتاریم

چمن زاریم و از یک شاخساریم

تمیز رنگ و بو بر ما حرام است

کہ ما پروردۂ یک نو بہاریم

گیارویں صدی کے آغاز سے لیکر انیسویں صدی عیسوی کے آخر تک دنیا بھر کے مسلمانوں کا یہی طرۂ امتیاز رہا ہے۔ اسی جذبہ کو لیکر یہ پراسرار غازی شوق جہاد سے سرشار دیار ہند کا رخ کرتے۔ وہ اپنے کسی سرابرہ جسے وہ اپنا امیر بادشا یا سلطان کہتے کے جھنڈے تلے جمع ہو کر جہاد فی سبیل اللہ کی غرض سے اپنا گھر بار چھوڑ جاتے۔ ان کا امیر ترک، مغل یا افغان کوئی بھی ہوتا۔ ان کی نظر میں رنگ و نسل کی تخصیص نہ تھی۔ وہ جو دانائے راز تھے۔ اس حقیقت کو جانتے تھے۔ اسی جذبہ کو حافظ رحمت خان شہید نے بھی اپنے انداز میں اپنی کتاب خلاصتہ الانساب میں سراہا ہے۔

اٹھارویں صدی عیسوی کے آغاز سے جب کہ ہندوستان کے مغل شہنشاہ اورنگزیب کا انتقال ہوا۔ دیار ہند میں مغل شہنشاہیت جسے عام لوگ مسلمانوں کی بادشاہی سمجھتے تھے کو زوال آنا شروع ہو گیا۔ افراتفری کے اس عالم میں اس صورتحال نے جنم لیا کہ صوبوں کے صوبے باری باری سلطنت سے باغی اور خود مختار ہونے لگے۔ افغانستان سے لیکر دکن اور بنگال تک دہلی کی مرکزیت باقی نہیں رہی۔ یہی وہ زمانہ تھا جب دہلی کا مغل بادشاہ عملاً اپنے محل سرا کے اندر محصور ہو گیا اور وہ کسی ایسی شخصیت کی امداد و تعاون کا محتاج ہو گیا۔ جو کسی طرح سے اس کی دفاع اور خیر خواہی کر سکے۔

نوجوان نجیب خان جو ان دنوں روہیلہ نواب علی محمد خان کے ہاں ملازم تھا اور اس کے معتمد سعد اللہ خان نے اُسے ایک ہزار سپاہ کی کمان دلائی تھی وہ دہلی کے دربار کی اس زبون حالی سے باخبر تھا۔ اس لئے اس نے اس عالمگیر اسلامی جذبہ کے پیش نظر اپنی خدمات مغل بادشاہ کے سپرد کرنے کا ارادہ کیا۔ اسی نیت سے وہ روہیلکنڈ سے دہلی جا پہنچا۔ وہ دہلی میں کئی حیثیتوں میں خدمات انجام دیتا رہا۔ سالہا سال تک وہ درباری سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں گِرا رہا۔ مگر اس نے ان حالات میں بھی جو کارہائے نمایان انجام دیئے وہ بالفعل ایک غازی اور مجاہد کے شایان شان تھے۔ اسی لئے حضرت شاہ ولی اللہ ؒ محدث دہلویؒ نے اسے رئیس الغزوات اور رئیس المجاہدین کے برگزیدہ القاب سے یاد فرمایا۔

یہ نجیب الدولہ ہی تھا جس نے حضرت شاہ ولی اللہ کی خواہش پر مرہٹوں کے خلاف جہاد کے لئے افغان بادشاہ احمد شاہ ابدالی کو دعوت دی۔ جس کے طفیل پانی پت

کے میدان کا وہ تاریخی معرکہ پیش آیا جس نے شمالی ہند میں مرہٹوں کی طاقت کو نیست و نابود کر دیا۔

مشرقی پنجاب میں سکھوں نے اس قدر زور پکڑا تھا کہ وہ لوٹ مار کی غرض سے جمنا پار راج گھاٹ تک جا پہنچے تھے ارو دوابہ اسہارنپور، بریلی اور میرٹھ وغیرہ تک کو لوٹتے اور تاراج کرتے رہے۔ ان کی لوٹ مار اور قتل و غارت سے وہاں کے باشندے تنگ آ چکے تھے نجیب آخر دم تک ان کا مقابلہ کرتا رہا۔ اسی کے نتیجے میں بالاخر بریلی کے مجاہدین سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل کی سرکردگی میں سکھوں کا رخ روہیلکنڈ کی سرزمین سے دریائے سندھ کے مغرب کی طرف موڑنے کی غرض سے خیبر پختونخوا میں چلے آئے۔ اور یہاں پر آزاد اسلامی حکومت کے قیام کی کوشش میں مصروف رہے۔ انہوں نے سکھوں کے خلاف کئی جنگیں لڑیں اور کئی سال تک خدوخیل اور بنیر کی سرزمین ہیں بھی موجود رہے۔ انگریزوں نے جب سکھا شاہی کا پنجاب میں خاتمہ کیا اور اس کے نتیجے میں پختونخوا کے کئی اضلاع پر بھی قابض ہو گئے تو انہی ہندوستانی مجاہدین کو خدوخیل اور بنیر کی سرزمین سے نکال باہر کرنے میں بھی مصروف ہو گئے۔ جس کے نتیجہ میں بنیر میں انبیلہ کا تاریخی معرکہ پیش آیا۔ تاریخ کے یہ ڈانڈے دہلی، روہیلکنڈ اور خیبر پختونخوا کے مابین اپس میں جڑے ہوئے ہیں

دہلی دربار کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کا سرغنہ اودھ کا نواب وزیر تھا۔ اس نے کئی بار مرہٹوں کے ساتھ مغل بادشاہ کے خلاف سازشیں کی۔ وہ عقیدتاً رافضی تھا اور روھیلکنڈ کے روہیلہ افغانوں کا جانی دشمن تھا۔ اسے نجیب کی طاقت اور قوت کسی

صورت میں منظور نہ تھی۔ مگر نجیب نے کبھی خود کو اس کا دست نگر نہیں بننے دیا۔ جب احمد شاہ ابدالی نے نجیب کو دہلی میں اپنا نائب مقرر کیا تو نواب وزیر نے مرہٹوں کے ساتھ ملکر نجیب کو دہلی سے چلے جانے پر مجبور کیا۔ تاریخ کے یہ دلگداز واقعات براہ راست یا بالواسطہ امیر الامراء نجیب الدولہ رئیس الغزوات اور رئیس المجاہدین کی زندگی کا حصہ رہے۔ انہی واقعات نے موضع مانیری کے اس عمر خیل مجاہد کو اٹھارویں صدی عیسوی کے روھیلہ افغانوں کے ہاں نمایاں مقام تک پہنچا دیا تھا۔ ہم سب کے لئے یہ تعلیم و عبرت کی وہ زندہ مثال ہے۔ جسے اگر یوں سمجھیں تو بے جانہ ہو گا کہ "گاہے گاہے باز خوان این دفتر پارینہ را وماتوفیقی الا باللہ

پروفیسر محمد نواز طائر

ہندوستان میں اٹھارویں صدی کا سیاسی اور تاریخی پس منظر

مُغلیہ سلطنت کا زوال مغلوں کی سلطنت کا ہندوستان میں حیرت انگیز قیام اور اس کی وسعت پذیری کے ساتھ ساتھ اس کی انتظامی، اقتصادی اور ثقافتی کارکردگی جو کہ مغل اعظم جلال الدین محمد اکبر کی خداداد نابغہ صلاحیتوں کی مرہون منت رہی اور آنے والے چند پشتوں تک خانوادۂ تیموری کے ان عظیم المرتبت حکمرانوں نے اسے قابل ستائش اور احسن طریقے سے نباہ رکھی اور کئی پشتوں تک اس کے اعلی معیار کو برقرار رکھا۔ یہی عظیم سلطنت اسی طرح ڈرامائی انداز اور سرعت کے ساتھ روبہ زوال ہوتی گئی۔ اورنگزیب عالمگیر کی رحلت 1707ء کے فوراً بعد اس کی زوال کی ابتدا عمل میں آئی۔

مذکورہ سلطنت کے قیام اور اس کی کامیابی کا اصل راز اس کے حکمرانوں کی بیدار مغزی، اعلی انتظامی صلاحیتوں اور اولوالعزمی کا نتیجہ تھی۔ ان کی عسکری قوت سالہا سال تک پورے ہندوستان پر حاوی رہی۔ مگر اٹھارویں صدی عیسوی کے آغاز میں اس کے اندر ٹوٹ پھوٹ اور شکست وریخت کے آثار نمودار ہونے لگے۔ مغل اشرافیہ کے کردار کی کمزوری ان کی کم نگاہی اور ان میں عزم و ارادہ کے فقدان کا واقع ہونا ان کئی ایک بنیادی وجوہات میں سے تھے۔ جن کی بدولت ان ناہمواریوں نے جنم لیا اور جو دولت مغلیہ کی زوال پزیری کا باعث بنے۔

اس میں شک نہیں کہ مغلوں کی سلطنت کی اس مذکورہ شکست وریخت کا ایک اہم سبب اس کی اندرونی خلفشار تھی مگر اس کے ساتھ ساتھ جیسے کہ کئی ایک کا یہ خیال ہے کہ خود مسلمانوں کی نارسائی ان کی کم نگاہی اور مسلم ثقافت میں پیدا شدہ جمود اور سکوت جو کہ ان کی قبر پرستی اور خانقاہی میلان اور حرکت و عمل سے انکی دستبرداری کی بدولت پیدا ہوتی گئی۔ بھی اس کا باعث بنی تھی۔ ان میں ان کو خطرات کا سامنا کرنے کی ہمت کا فقدان اور حقائق پر ان کی چشم پوشی اور کسی اعلی وارفع مقصد کے حصول کے لئے ان میں کسی جذبے کا نہ ہونا اس کے ساتھ ان کی آرام طلبی، عیاشی اور راہبانہ قناعت پسندی نے اس معاشرے کو بربادی کے گھڑے میں دھکیل دیا۔اور ان کے وہ قواء رفتہ رفتہ مضمحل ہونے لگے۔ جو عزم وارادہ اور کارو پیکار سے آشنا تھے۔ ان کا معاشرہ نفسیاتی اور اقتصادی بوجھ تلے دبنے لگا۔ کردار و عمل کی اس کم مائیگی نے ان اسباب کو جنم دیا اور سرزمین ہند میں بھی یہی کچھ ان کی برتری اور قیادت وراہنمائی کی قوت کو ذائل کرنے کا باعث بنی۔

سیاسی برتری کی کمزوری کی ایک اصل وجہ یہ بھی تھی کہ مغلیہ بادشاہت کو حد سے زیادہ مرکزیت حاصل رہی۔ انکی یہی مرکزیت بالاخر سلطنت کی بربادی پر منتج ہوئی ان میں سے جو عزم وارادہ کے مالک تھے۔ وہ سرکش اور بے قابو ہوگئے اور ذاتیات میں الجھ گئے مستقبل کا خیال کئے بغیر وہ اپنے معاشرے کی بھلائی سے بے نیاز ہوگئے۔اور وہ جو کسی اقدام و عمل کا خوہش نہیں رکھتے تھے۔ اس روبہ تنزل عمل کو تیز تر کرنے میں ممد و معاون ثابت ہونے لگے۔ نہ تو اب اپنے ماضی پر ان میں فخر کرنے کا جذبہ باقی تھا۔ اور نہ ہی مستقبل کی کوئی امید اُن کو دامنگیر رہی۔ وہ نہ تو اپنے سامنے خلفائے راشدین کی

مثال رکھتے تھے۔ اور نہ ان اولوالعزم فاتحین کا عزم و حوصلہ ان میں موجود تھا جو راہ خدا میں مردانہ وار چہار دانگ عالم میں جہد و پیکار میں سر دھڑ کی بازی لگاتے تھے۔ خانقاہی تصوف نے ان کے عہد و عمل کے جذبہ کو نابود کر رکھا تھا۔ وہ آسمانی امداد کے متمنی ہونے کے ساتھ بزدلی اور کمزوری کا شکار تھے۔ اور اسی وجہ سے وہ مرگ مفاجات کو اپنی طرف دعوت دینے لگے تھے۔ ان میں نہ توکسی قسم کی عزم و ہمت باقی رہی تھی ورنہ فکر فردا کا کچھ خیال انکو دامنگیر رہا۔ وہ فقر و فاقہ اور قناعت و دریوزہ گری کی قدیم روایات سے چمٹے رہے اور شتر مرغ کی طرح اپنے پروں میں اپنے سر کو چھپائے ماضی کے مغلوں کے گرد آلود صحراؤں میں بھٹکتے رہے۔

نادر شاہ کے حملہ سے شاہ عالم کی موت تک کے زمانے کا ذکر کرتے ہوئے مورخ جادو ناتھ سرکار لکھتے ہیں کہ

"دہلی کی تاریخ ان چالیس سال میں بے حد افسوسناک اور درد انگیز رہی ہے۔ ان میں افغان درازدستی اور مرہٹہ، سکھ، جاٹ، اور پنڈاریوں کی یورشیں اور ان کی لوٹ مار کے خطرات ہر گھڑی منڈلاتے رہے۔ متمول گھرانوں کی شامت رہی۔ اور تجارت و کاروبارہ کا ٹھپ ہونا روز کا معمول رہا۔ غیر محفوظ گھروں کی لوٹ مار، چوری چکاری اور ان دیہات و مضافات کی بربادی جو شہر کو روزمرہ کے خورد و نوش کا سامان فراہم کرتے تھے ان کی پامالی نے قحط کی سی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ شاہی دربار پر غلام قادر روہیلہ کا قابض ہونا اور محل کے اندر اسکا داخل ہونا اور شہنشاہ کے حرم سرا کی مکینوں کی سبکی اور

بے پردگی اور بالاخر شاہ عالم دوم کو اندھا کرنے کا واقعہ ایسے واقعات ہیں جنکو اس دور کی تاریخ سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔

اورنگزیب کے کسی وارث میں ماسیوائے بہادر شاہ کے یہ صلاحیت ہی نہیں تھی کہ نظام سلطنت کی بھاری ذمہ داری کو سنبھال سکے اور اس کی گوناگون مسائل کا سامنا کر سکیں یا اس کی مالی مشکلات کو دور کر سکیں ہر جانب سے دشمن کی یورشوں کا مقابلہ کر سکیں۔وہ سب کے سب اس عظیم سلطنت کے مردہ جسم کو نوچنے پر مطمئن رہے جس کی بنیاد ظہیر الدین بابر نے رکھی تھی اور جو کئی پشتوں تک پورے آب و تاب سے قائم رہی۔

کئی سال کی یہ مسلسل خانہ جنگیاں اور موت و حیات کی کشمکش ، فوجی بے ضابطگیاں، بیرونی اور اندرونی جدال و قتال کا نہ ختم ہونیوالا سلسلہ اور اعلی عسکری قیادت سے رفتہ رفتہ محروم ہونا، مزید مرکزی ایشیا میں وقوع پذیر ہونیوالی سیاسی اور عسکری تبدیلیوں کی وجہ سے باہمی آمدورفت کے سلسلے کا ٹوٹ جانا اور وہاں سے ہجرت کر کے ہندوستان میں وارد ہونے کے عمل کا ماند پڑ جانا۔ جس کی بدولت ہندی مسلمانوں میں جمود اور سستی کے عناصر نے جنم لیا تھا۔

مغل شہنشاہ اٹھارویں صدی میں محض نام کے شہنشاہ رہ گئے تھے۔ ان کے محلات عملاً قید خانوں کی صورت میں تبدیل ہو چکے تھے۔ جہاں وہ خود سازشوں اور بد فعلیوں میں ہر وقت مصروف رہتے تھے۔ وہ غفلت و عیش پرستی کی زندگی گذارنے میں

مگن رہے۔ ان میں کوئی بھی کسی قسم کی ہمدردی یا ستائش کے لائق نہیں تھا۔ اور ان سے نفرت اور ناامیدی کے سوا کسی قسم کی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔

اس دور میں اب وہ یکسانیت باقی نہیں رہی تھی جو ان کے معاشرے کو ثقافتی، اقتصادی اور سیاسی وحدت میں یکجا رکھنے میں ممد و معاون ثابت ہوتی۔ ہندوستان کی معاشرتی زندگی کے اخلاقی اقدار اور مذہبی عقائد نے ان راستوں کو مسدود کر رکھا تھا۔ جس سے لوگوں کی معاشرتی یگانگت کی توقع کی جا سکتی تھی۔ اس نے باہمی بُعد اور بیگانگی کے ماحول کو جنم دیا تھا اور ملک کے اندر ٹوٹ پھوٹ کے عمل کو پروان چڑھایا تھا۔ اسی شکست و ریخت کے عمل میں بالآخر اس سلطنت کی بربادی کے سب سے بڑے عوامل میں سکھوں اور مرہٹوں کی تحریکیں بھی شامل رہیں۔ بعض کے خیال میں یہ عملاً ہندی نژاد تحریکیں تھیں جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔"۔

مغلیہ سلطنت کے زوال کا سب سے اہم سبب ان خود غرض اعلی سرکاری افسروں اور عہدداروں کی خود سری ان شاہ خرچیاں اور اس دور کے غیر منصفانہ اقتصادی ذرائع کی تقسیم تھی جس نے آہستہ آہستہ معاشرے کے ان طبقات کو خواری اور افلاس سے ہمکنار کیا جو ریاست کی فراعنت اور اقتصادی خوشحالی کا باعث تھے اور اس کا براہ راست اثر ان پر رہا جو جنگ و پیکار میں خود کو بطور عسکری قوت کے پیش کرتے۔ ان کو ان کے مشاہرہ اور حق الذحمت کی ادائیگی میں مشکلات پیدا ہونے لگے گو کہ فوجی خدمات اس زمانہ میں سب سے بہتر زندگی گذارنے کا ذریعہ تھے مگر ان میں خطرات بھی بے حد زیادہ تھے۔ گو کہ اسکے فوائد بھی اگرچہ سب سے بڑھ کر تھے۔ مورخ کینیڈی نے بجا کہا

ہے۔ کہ کرائے کے سرفروش دنیا بھر میں تاریخ کے ہر دور میں مرنے اور مارنے کے لئے معمول اجرت پر آمادہ رہے ہیں۔ مگر یہ صرف ان دنوں میں ممکن ہوتا ہے جب زندگی گذارنے کی عام ضروریات پورا ہونے کا فقدان ہو یا اس میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے اسی صورت حال میں آبادی کا ایک خاص طبقہ اجرتی جدال و قتال کا راستہ اپنا لیتا ہے۔ ان حالات میں جب باقاعدہ قبضہ جمانے کا سلسلہ مفقود رہا ہو تو نوزایدہ نسل اپنی قوت بازو سے ایسا پیشہ اختیار کرنے کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ جس میں زندگی کے حوائج پورا کرنے کے ذرائع ڈھونڈ نکالنے کا موقع موجود ہوتا ہے۔۔

اورنگزیب کا انتقال تین مارچ 1707ء کو ہوا اور اس کی تجہیز و تکفین کا مرحلہ ابھی پوری طرح انجام کو بھی نہیں پہنچا تھا کہ اس کے تین بیٹوں کے مابین خانہ جنگی کا آغاز ہو گیا اس بات کا خطرہ اسے پہلے سے نظر آ رہا تھا۔ معظم، محمد اعظم اور کام بخش آپس میں الجھ پڑے۔ ان میں معظم کی جیت ہوئی اور وہ تخت پر قابض ہو گیا۔ اس نے بہادر شاہ کا لقب اختیار کیا۔ وہ ایک نرم خو، میانہ رو شخصیت کا مالک، عالم فاضل، عالی ظرف اور غریب پرور انسان تھا۔ وہ سلطنت کے وقار کو بحال کرنے میں کسی حد تک کامیاب بھی رہا۔ مگر اس روبہ زوال سلطنت کی شکست و ریخت کو دور کرنے میں ناکام رہا۔ وہ 27 فروری 1712ء کو راہی عدم ہو گیا۔ اس کی موت وراثت کی ایک نئی جنگ کا باعث بنی اور اس کے چار بیٹوں میں جہاندار شاہ کامیاب رہا۔ جو گیارہ ماہ تک ناکام حکمرانی کے بعد اپنے بھتیجے فرخ سیر کے ہاتھوں تخت سے محروم ہو کر قتل کیا گیا خافی خان کے مطابق جہاندار شاہ کے مختصر دور حکومت میں بد نظمی پوری عروج پر رہی۔ یہ دور

طوائفوں اور ناچ گانے والوں کے لئے موزوں رہا۔ اس زمانہ میں ان کے وارے نیارے رہے۔

1713ء میں فرخ سیر تخت نشین ہوا مگر ریاست کے تمام اختیارات سید برادران کو منتقل ہو گئے یہ دو بھائی حسین علی اور عبداللہ حکومت کے کرتا دھرتا بن گئے اور وہ بادشاہ گرد کے نام سے مشہور ہوئے۔ کمزور، بزدل اور بے اثر شخصیت کا مالک فرخ سیر جو خود بڑے سازشی زہنیت کا مالک تھا۔ وہ آخر میں سید برادران کا مخالف ہو گیا۔ مگر یہ سودا اس کے لئے مہنگی پڑی اسے تخت سے دستبردار ہونا پڑا۔ اور اسے اندھا کر دیا گیا اور بعد میں مروا دیا۔ اس کے بعد رفیع الدرجات اور نیکو سیر کی باری آئی اور ان کو یکے بعد دیگرے تخت نشین کرایا گیا یہ محض دکھاوے کے بادشاہ بنے اور سید برادران حکومت چلاتے رہے ان کو بھی بالآخر محمد شاہ کے لئے میدان خالی کرنا پڑا جو 1719ء میں مغلیہ سلطنت کا تاجدار بنا دیا گیا۔ نیا شہنشاہ سید برادران کا دست نگر ہونے کی بجائے جلد انکی مخالفین کے ہاتھ چڑھ گیا۔ اور 1722ء میں اس کو ان سے گلو خلاصی نصیب ہوئی۔ مگر محمد شاہ کو ان بادشاہ گرد سادات کے خاتمے سے کوئی خاص فائدہ نہ پہنچ سکا۔ وہ عیاشی میں اسقدر مگن رہا کہ ریاست کے سبھی امور سے بے خبر اور بیگانہ رہا۔ سید برادران کی معزولی اور نظام الملک کی دکن کو مراجعت کے بعد سلطنت کے حصے بخرے ہونا شروع ہو گئے اور یکے بعد دیگرے صوبوں میں علیحدگی اور خود مختاری کا رجحان جنم لینے لگا۔ اس دوران مرہٹوں، جاٹوں اور سکھوں نے سر آٹھانا شروع کیا۔ روہیلے اپنے علاقہ میں حکمران بن گئے اس کے بعد سلطنت کے حصے بخرے ہونے میں تیزی آگئی۔ مگر ان سب سے بڑھ کر بڑی تباہی اس وقت عمل میں آئی اور جس کے بعد سلطنت سنبھل نہ

سکی۔ وہ 1739 میں نادر شاہ افشار کا ہندوستان پر حملہ رہا۔ اس کے بعد مغل سلطنت کا خاتمہ ہونے لگا۔ اور بر صغیر ہندوستان کی شہنشاہیت کا بالاخر خاتمہ ہو گیا۔ پورا ہندوستان اب ایک سیاسی وحدت نہیں رہا تھا۔ اس کے بعد آنیوالوں میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو ماضی کے ان روایات کی پاسداری کرنے کا حق ادا کر سکتا۔ نادر شاہ کے حملہ نے نہ صرف تباہی اور بربادی مچادی بلکہ ملک میں ہر طرف اندھیر نگری کا سماں بھی پیدا کر دیا۔

اس نے بیرونی حملہ آوروں کے لئے راستہ صاف کر دیا اور شمالی مغرب کی جانب سے ایک بار پھر شمالی مغربی ہندوستان پر حملے جاری ہو گئے۔ نادر شاہ کے واپس چلے جانے کے تقریباً تیس سال کے بعد تک احمد شاہ ابدالی اور اس کے بعد آنے والے حملہ آور ہندوستان پر یورش کرتے رہے اور نادر شاہ کے نقش قدم پر چلتے رہے۔

1748ء میں محمد شاہ راہی عدم ہو گیا اور اسکے بیٹے احمد شاہ نے اس کی جگہ سنبھالی اور دہلی کے تخت کا مالک ہو گیا مگر نہ تو اسے حکومت چلانے کا کوئی خاص تجربہ تھا اور نہ ہی وہ تعلیمیافتہ تھا۔ وہ عزم و ارادے کا مالک بھی نہیں تھا اس لئے اس نے تمام اختیارات اپنے ایک ملازم نواب بہادر جاوید خان کے سپرد کئے تھے۔ اور خود کو گھٹیا قسم کی عیاشیوں میں مصروف کر رکھا تھا۔ یہ ایسا وقت تھا کہ ہر طرف بے حیائی اور بے شرمی کا دور و دورہ رہا۔

دہلی کا وزیر اعظم جس کے زمانہ میں نجیب الدولہ نمودار ہوا منصور علی صفدر جنگ تھا۔ جو اپنے چچا اور سسر سعادت علی خان برہان الملک کے بعد 1739ء میں

اودھ کا گورنر بنا تھا۔ وہ 1748ء میں وزیر بنا۔ اور اس وقت سے لیکر اس کے انتقال تک وہ ملک کی عملی سیاست اور جنگ و پیکار میں مصروف رہا اگرچہ اس کی تمام تر دلچسپی اپنے صوبہ پر مرکوز رہی۔ اور سلطنت کے اعلیٰ مقاصد اس کے لئے بے معنی تھے۔ 1746 میں اپنے ایک سیاسی حربہ سے اس نے نواب قائم خان بنگش کو دوآبہ کے روہیلوں کے خلاف اکھسایا۔ اور ان کے مابین اختلاف کے بیج بونے میں کامیاب ہو گیا جو آخر دم تک ان کے مابین موجود رہا۔ مگر سب سے بڑھ کر جو غداری اس نے مغل خانوادے اور شمالی ہندوستان کے لوگوں کے ساتھ کی وہ اس کا مرہٹوں کو اس جانب مدعو کرنا اور جاٹوں کو افغانوں کے خلاف اکھسانا تھی۔ اس وقت سے دہلی' پنجاب اور دوابہ ان کے حملوں کا نشانہ بنے رہے اور اس کے مرنے سے کچھ عرصہ پہلے بادشاہ نے اسے بغاوت کے جرم میں ذلیل اور برخاست کر دیا تھا۔ اس کے بعد وزارت کا قلمدان انتظام الدولہ کے سپرد کیا گیا جو بعد میں غازی الدین عماد الملک کے ہاتھ آیا۔ اور وہ بھی بعد میں 1756ء میں اودھ میں انتقال کر گیا۔

عماد الملک نے خود کو بخشی کی حیثیت سے متعارف کرایا تھا اس نے صفدر جنگ کا مقابلہ کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ صفدر جنگ کی طرح وہ بھی مرہٹوں کی امداد پر انحصار کرتا اور اپنی خواہشات اور آرزووں کے پیش نظر اس نے سلطنت کو بے حد نقصان پہنچایا۔ اس نے شاہی خاندان کو ذلیل و خوار کرنے میں عملی کردار ادا کیا۔ اس کا یہ عمل سلطنت کے کسی اور اعلیٰ سیاسی منتظم کے کردار سے کہیں زیادہ نقصان دہ رہا۔ 1754ء میں مرہٹوں کا شاہی کیمپ پر سکندرہ کے مقام پر حملہ کرنے کے لئے عماد ذمہ وار تھا سیر المتاخرین کا وقائع نگار کہتا ہے کہ " یہ ناقابل یقین نہیں کہ خانوادۂ تیمور کی اس

موقع پر بے عزتی کرائی گئی۔ اس گھرانے کو جس کے آستانے پر اپنے وقت کے سلاطین اپنا سر جھکاتے اور ہر کوئی ان کی عزت و تکریم کرتے کو اس قدر سبکی اور بے عزتی کے دن دیکھنے پڑے۔

عماد نے مرہٹوں کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کیا اور مغل شہنشاہ احمد شاہ کو گرفتار کر کے اسے اور اسکی والدہ کو اندھا کر وادیا اور اس کی جگہ جہاندار شاہ کے بیٹے عزیز الدین کو عالمگیر ثانی کے لقب سے تخت پر بٹھا دیا۔ وہ 1754ء میں تخت نشین ہوا۔ مرہٹوں نے عماد کے ساتھ تعاون کرنے کے صلہ میں اس سے 82 لاکھ روپے انہیں دینے کا تقاضا کیا۔ مگر اس رقم کی ادائیگی سے وہ قاصر تھا اس لئے مرہٹے اس کے مخالف ہوگئے اور اسے کہلا بھیجا کہ کل ہم نے تم سے جو سودا کر لی تھی اور تم نے اس کو قبول کیا تھا اب قدرتی بات ہے کہ ہم کسی اور سے اس سے بہتر شرائط طے کرلیں گے اور وزارت اس کے حوالے کردیں گے۔ عماد نے اس خطرہ کو ٹالنے کے لئے سہارنپور میں 22 مہال ان کے سپرد کر دیئے اس کے علاوہ چند ایک اور مہال خالصہ کے صرف خاص کے زمینوں کے بھی ان کو دے دئے۔

مرہٹے دہلی سے واپس چلے گئے مگر واپسی پر تمام دیہات میں لوٹ مار مچادی۔ اور کسی کا کسی قسم کا لحاظ روا نہیں رکھا۔ یہی وجہ تھی کہ نجیب الدولہ ان کے سامنے ڈٹ گیا۔ اگرچہ نورالدین کا تذکرہ حتمی اور مکمل نہیں پھر بھی اس کا کچھ نہ کچھ صحیح نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ نجیب کے تمام ذرائع وسائل پر ان کا بوجھ پڑا مگر وہ کم از

کم اس حد تک کامیاب رہا کہ مرہٹوں کو تقریباً دس سال کے عرصے تک شمالی ہندوستان سے دور رکھا۔

نیا شہنشاہ عالمگیر ثانی اس بات کا آرزومند تھا کہ اپنے بزرگوں کی مانند سلطنت کا کاروبار بحال کر دے۔ مگر نہ تو وہ اسقدر قوی ارادے کا مالک تھا اور نہ ہی اس میں اسقدر قوت و طاقت تھی کہ ان عظیم مسائل سے وہ عہدہ برآ ہونے میں کامیاب ہوتا۔ اس کی تخت نشینی کے دو سال بعد احمد شاہ ابدالی ہندوستان پر حملہ آور ہوا اور ایک غیر ملکی حملہ آور کے خوف سے سارا ملک لرز اُٹھا۔ اس تمام عرصہ میں مرہٹے' جاٹ اور سکھ سلطنت کے اہم حصوں پر چھائے ہوئے تھے' مورخ لائل کے مطابق ان دنوں ہندوستان کے لوگ لاوارث اور بے سہارا رہ گئے تھے۔ اور کسی ایسی قوت کے طالب تھے۔ جو انکی امداد و اعانت کر سکے۔ وہ اس کے لئے تیار تھے۔ کہ کوئی ایسی شخصیت سامنے آئے جو مقامی نظم و نسق کو سنبھالنے میں ممد و معاون ثابت ہو۔ ان تمام مخدوش حالات کے اندر عالمگیر ثانی خود کو ایک اسیر سے زیادہ نہیں سمجھتا تھا اپنے آپ کو اس دلدل سے نکالنے کی غرض سے اس نے کوشش کی سلطنت کے مختار کل عمادالملک وزیر سے کسی طرح چھٹکارا پا سکے مگر اس کا نتیجہ خود اس کی گرفتاری اور قتل کئے جانے پر انجام کو پہنچا۔ یہ واقع 1759ء میں پیش آیا۔ عماد نے کام بخش کے ایک پوتے کو شاہجہان ثانی کے لقب سے تخت پر بٹھایا۔ مگر کسی نے بھی اسے شہنشاہ تسلیم نہیں کیا۔ ان دنوں شہزادہ علی گوہر عالمگیر کا بیٹا اور وارث دہلی سے بچ نکلا تھا اور شاہ عالم ثانی کے لقب سے 1772ء تک سلطنت کے حدود سے دور جلا وطن رہا۔ جب وہ بالاخر بادشاہ بنا تو جادو ناتھ سرکار کے مطابق 10 اکتوبر 1760ء کو شیو راؤ بھاو نے جب وزیر عماد الملک نے دہلی کے تخت پر بٹھائے

ہوئے شاہ جہان ثانی کو معزول کیا اور اس کی جگہ شاہ عالم ثانی کو بٹھایا تو اس نے بھی اسے بادشاہ تسلیم کیا۔ 6 جنوری 1772ء تک جب کہ شاہ عالم دارالخلافہ میں داخل ہوا سلطنت کا یہ دارالحکومت کسی شاہی حکمران کی موجودگی سے محروم رہا۔

مرہٹے

سب سے بڑھکر خطرناک اور معاندانہ رویہ رکھنے والے اٹھارویں صدی میں مغلیہ سلطنت کے دشمن مرہٹے ہی رہے۔ وہ مضبوط ۔اور طاقتور ریاست جسکی بنیاد سیواچی نے رکھی تھی گو کہ اس کا وہ ولولہ اور جذبہ سیواجی کے مرنے کے بعد باقی نہیں رہا تھا پھر بھی مرہٹے اب بھی غیروں کی غلامی کا جوا اتار پھینکنے میں مستعد رہے۔ اگرچہ مرہٹہ تحریک پورے ہندوستان کی تحریک نہیں تھی اور نہ ہی اسے ہندوؤں کا قومی تحریک کہا جا سکتا ہے۔ پھر بھی وہ ہندوؤں کی دوبارہ احیاء کا ہراول ضرور ثابت ہوا۔ دہلی کے مغلیہ دربار سے شہنشاہ بہادر شاہ نے شاہو کو اپنے لوگوں میں واپس چلے جانے کی اجازت دے دی۔ پانچ سال کے عرصہ میں اس نے خود کو مرہٹوں کا سربراہ تسلیم کرایا۔ اس نے کونکن کے ایک برہمن بالاجی وشواناتھ کو اپنا پیشوا بنا دیا۔ یہ 1713 کا واقعہ ہے۔ بالاجی نے خود کو ایک اعلی منتظم ثابت کر دیا اور اس کے ساتھ وہ بلند پائے کا فوجی قائد بھی ثابت ہوا۔ اس کی سرکردگی میں مرہٹوں کا گرتا ہوا وقار سنبھلنے لگا۔

دہلی کے شہنشاہی ساکھ کی دیوار میں روز افزوں دراڑھ پڑنے مرہٹوں کو یہ موقع فراہم کیا کہ وہ اپنے اثر ورسوخ کو دریائے نربدا سے اگے کی طرف وسعت دے سکیں۔ اگر مرہٹوں کی حکومت کا قیام کسی ذاتی مطلب براری کی بنا پر قائم نہ ہوتی۔ اور اس کا مقصد محض لوٹ مار نہ ہوتی تو شمالی ہندوستان میں ان کو مستقل حیثیت میں قدم

رکھنے کا موقع ضرور مل جاتا۔ اگر قوم پرستی یا ہندوستان بھر میں ایک ہندو قومی سلطنت کے قیام کا جذبہ ان میں موجود ہوتا اور مغلوں کے مقابلے میں وہ اسی سیاسی جذبے سے جاٹوں اور راجپوتوں کو اپنے ساتھ ملا لیتے تو ہندوستان کی تاریخ اب کچھ اور ہوتی۔ مرہٹوں کے قومی خصائل اور عادات و اطوار کی سادگی ان کی غریب پروری اور مہمان نوازی انکی مردانگی اور جراتمندی اور ان کے سبھی اعلی اخلاقی اقدار کو ان کی حرص و ہوا اولوٹ مار کے جذبے اور ان کے بے رحمانہ غیر مہذب اور ناشائستہ انسانی سلوک نے دبا کر رکھ دیا تھا۔ ان مہمات کا طریقہ کچھ ایسا نہیں تھا جو کسی اچھے اُمید اور یقین کو اُبھارتا اور جو کسب و کار اور کاشتکاری اور زمینداری کے لئے سود مند ثابت ہوتا۔ سب لوگ ان کی ظالمانہ کارکردگی سے نالاں تھے۔ اور جیسے کہ گرانٹ ڈفٹ نے لکھا ہے کہ مرہٹوں کی وسعت پذیری نے ہندو قومیت کو بھی ماسوائے گفتار کی آزادی کے کسی قسم کا نوید نہیں دیا اور یہ کسی صورت میں ان کو تحفظ فراہم کرنے اور ان کے حالات میں کسی قسم کی تبدیلی کا پیش خیمہ نہ بن سکے۔ تباہی، بربادی، تعدی اور ظلم و ستم میں وہ طاق تھے۔ اس کے سوا ان سے کسی قسم کی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ زیاتی اور تشدد کے عادی تھے یہ لوگ ہر لحاظ سے غیر مقبول نووارد تھے۔ ایک اور محقق کی نظر میں مرہٹے داد دہش سے مکمل طور پر نا آشنا اور سنگ دل لوگ ہیں وہ مہذب دنیا کی انسانی خوبیوں سے بے بہرہ ہیں۔ ظالمانہ ہتھکنڈوں اور تشدد و تعدی کے عادات حرص و ہوا کے دلدادہ لوگوں میں بے حد زیادہ ہوتی ہیں۔ بہار اور بنگال پر مرہٹوں کی یورش اور حملوں کو یہاں کے لوگ اب تک بھلا نہیں سکے ہیں۔ 1711ء کے معاہدے کی رو سے مرہٹوں کے تسلیم کئے جانے کا ان کو فائدہ مل گیا کہ مرہٹے مغلیہ سلطنت کے صوبوں میں لگان کے وصولی کے

برابر کے حقدار بنا دیئے گئے اور ان کو ان کے اندر سیاسی دسترس حاصل ہو گئی۔ اس کے بدلے میں شاہو نے دہلی میں مغل شہنشاہ کے مقام کو تسلیم کرنے پر رضامندی ظاہر کی۔

بالاجی وشواناتھ کا 1720ء میں انتقال ہوا اس کے بعد اس کا بیٹا باجی راو بر سر اقتدار آیا جو ایک آزمودہ کار جرنیل اور مدبر سیاستدان تھا۔ اس میں کسی پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کی صلاحیت موجود تھی۔ اور یہی کچھ اسے اپنے سربراہ کی جانب سے مرہٹہ ریاست کو وسعت دینے کے درپے رکھا۔ 1723ء میں باجی راو نے مالوہ پر فوج کشی کی اور اس کے فوراً بعد اس نے گجرات کے متمول صوبہ کو ہتھیا لیا۔ 1737ء میں وہ دہلی کی طرف بڑھا مگر شہر میں داخل نہیں ہوا۔ جب نظام الملک کو مرہٹوں کو مالوہ سے نکالنے کے لئے کہا گیا تو اس کو بھوپال کے قریب شکست کا سامنا کرنا پڑا اور بہ امر مجبوری حکومت کو مالوہ سے ہاتھ دھونا پڑے۔ 1740ء میں پیشوا کا انتقال ہو گیا مگر اس نے مرہٹہ قوت اور طاقت کو عروج پر پہنچا دیا تھا۔

باجی راؤ اول کے بعد اس کا بڑا بیٹا باجی راو ثانی بر سر اقتدار آیا اگرچہ اس میں اپنے والد کی اعلیٰ خوبیاں موجود نہیں تھیں پھر بھی وہ اپنی طاقت کو بڑھانے اور مملکت کو شمال میں وسعت دینے کا اس کی طرح کا عزم وارادہ رکھتا تھا۔ اس نے اپنے افواج کی از سر نو تنظیم کرائی اور اس میں کرائے کے ہر نوع کے افراد کو شامل کیا۔ اس طرح اس کو کئی ایک بہتر قسم کے افسر اور کارآمد سپاہی میسر آئے اور اس کے ساتھ فوجی طاقت میں بھی معتدبہ اضافہ ہوا مگر اس نے اس کی قومی حیثیت کو برباد کر دیا اور اس کی وحدت اور تنظیم کو نقصان پہنچایا۔

1756ء کے اخری دنوں میں ملہار راؤ ہلکر اور رگھوناتھ راؤ کو شمالی کی طرف روانہ کردیا' اول اس غرض سے کہ وہاں لوٹ کھسوٹ سے سرمایہ اکھٹا کریں جس کی اب اس بڑی عسکری قوت کو قائم رکھنے اور اپنی حکومت کو چلانے کے لئے ان کو ضرورت تھی۔ اپنے والد کی اس پالیسی پر بھی عمل کرے جو کہ اس نے درخت کا جڑ کاٹنے کی غرض سے اپنایا تھا۔ مزید یہ کہ اس طرح درخت کی شاخیں خود بخود گر سکتی تھیں۔ ان کی پہلی سیاسی برتری اس وقت عمل میں آئی جب انہوں نے دہلی دربار سے اس لئے معاونت کی کہ وہ نجیب کو اس منظر سے ہٹا دیں۔ جسکو دہلی میں ابدالی نے اپنا نائب مقرر کیا تھا۔ یہ کہ وہ اپنی اس حیثیت سے دستبردار ہو جائے اور اپنے جاگیر میں چلا جائے۔ اس کے بعد مرہٹے پنجاب کی طرف بڑھے' سرہند پر قبضہ جمایا اور مارچ 1758ء میں لاہور جا پہنچے۔ مگر ہندو طاقت کی اٹک تک یہ وسعت پذیری محض وقتی رہی اور بالاخر پانی پت کے مقام پر ان کی شکست اور ہزیمت کا باعث بنی۔ 1758ء میں پیشوا نے داتاجی سندھیا کو شمالی ہندوستان کی طرف بھیج دیا اور اس نے ساباجی سندھیا کو پنجاب کا گورنر بنا دیا۔ اس کے دو سال بعد 1761ء میں مرہٹوں کو پانی پت کے مقام پر شکست ہوئی اور ہندو شاہی کے سبھی خواب چورہ چورہ ہوگئے۔

روہیلے افغان

روہیلکنڈ کا نام اس سرزمین کو دیا گیا تھا۔ جس میں موجودہ بجنور، مراد آباد، بدایون، بریلی، شاہجہانپور اور رامپور شامل تھے۔ اس علاقے کا نام اس لئے یہ پڑ گیا کہ اس میں روھیلہ افغان سترھویں صدی سے آباد ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اور 1774ء میں وارن ہسٹنگر کے زمانے اور انگریزوں کے یہاں پر قابض ہونے تک یہ پورا علاقہ ان کے تصرف اور قبضہ میں تھا۔

شاہجہان کے دور حکومت میں یہاں پر داودزئی افغان آکر آباد ہوئے اور انہوں نے شاہجہان آباد کے مشہور شہر کو یہاں بسایا۔ اس وقت سے ان کی آبادکاری کا یہ سلسلہ جاری رہا اور اس میں کئی ایک کی اعلیٰ رتبوں تک رسائی ہوئی۔ نادرشاہ کے حملے نے افغانوں کو اپنی سرزمیں سے بے دخل کر کے ان کو عسکری خدمات اور روزگار کی تلاش میں ہندوستان کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا۔ اورنگزیب کے انتقال کے بعد سیاسی ابتری اور برسراقتدار طبقہ کی اپنی ضرورت کے پیش نظر ان سرفورش افغانوں کو اپنے پاس رکھنے اور ان کو عزت و تکریم سے نوازنے کے مواقع میسر آئے اور بہت جلد وہ شمالی ہندوستان میں عزت و توقیر کا مقام پانے میں کامیاب ہو گئے۔

محمد خان جو شاہ موتی کے نام سے جانا جاتا ہے جو کہ شیخ شہاب الدین کا فرزند تھا۔ اس کے پانچ بیٹے تھے۔ اعظم خان، شہداد خان، حکیم خان، حسن خان اور شاہ عالم خان، شاہ عالم خان کا ایک غلام جسکا نام داود خان تھا 1707ء میں ہندوستان چلا آیا وہ بردوان کے ضلع میں مرکا کے ایک بڑے ہندو زمیندار جس کا نام مدار شاہ تھا کے ساتھ ملازم ہو گیا۔ اپنے ایک دورہ کے دروان اس نے ایک جاٹ لڑکے کو جسے اس نے اپنا متبنی بنا دیا اپنے ساتھ لے آیا۔ یہی لڑکا بعد میں کامیابیوں سے ہمکنار ہو گیا۔ اور علی محمد خان کے نام سے مشہور ہو گیا رامپور کے موجودہ نوابوں کا خاندان اسی کے نسل سے ہے۔ کچھ کے خیال میں جو کہ زیادہ قومی معلوم ہوتا ہے۔ علی محمد خان روہیلہ افغان تھا جسے داؤد خان نے اپنا بیٹا بنا دیا تھا۔

بعد میں داؤد خان نے مرہٹوں کے خلاف لڑنے کے لئے وزیر کی ملازمت اختیار کرلی اس کے صلہ میں اس کو نبرا بالی کے کئی گاوں بطور جاگیر عطا کئے گئے۔ کچھ عرصہ بعد اس کا آقا شاہ عالم خان، ہندوستان چلا آیا وہ چاہتا تھا کہ داؤد خان اس کے ہمراہ واپس اپنے ملک میں چلا جائے۔ مگر داؤد خان نے انکار کیا اور واپسی پر شاہ عالم کو قتل کر دیا۔ داؤد اس کے بعد کماوں کے راجا دیبی چند کے ساتھ ملازم ہو گیا۔ جب شہنشاہ نے مراد آباد کے گورنر عظمت اللہ کو دیبی چند کے خلاف کاشی پور اور ردار پور کے پرگنوں پر قابض ہونے کے لئے روانہ کیا تو اسے اس مہم میں شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اس نے اپنی اس شکست کو داؤد کی تعدی سے محمول کیا اور اس کو قتل کیا۔ داؤد نے اپنے پیچھے ایک بیٹا چھوڑا۔ یہی علی محمد خان تھا۔ اسکے اگے مزید کچھ معلوم نہیں۔

داؤد کے مرنے کے بعد علی محمد خان اس کی تمام دولت وثروت اور جاگیر پر قابض ہو گیا اور خود کو عظمت اللہ کا طرفدار بنا دیا۔ اس طرح اپنے اثر و رسوخ کو بڑھانے لگا۔ اس کے بعد اس نے انولا پر قبضہ جمایا اور قمرالدین وزیر کی اعانت سے اس کو اپنے مقبوضہ علاقاجات کا مالک و مختار بنا دیا گیا۔ اسکی یہ کامیابی اس کی جراتمندانہ اقدامات کے باعث تھی اس نے افغانوں کو اس طرف راغب کیا۔ یہ لوگ اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔

جب سیف الدین محمد خان نے بغاوت کی تو علی محمد خان نے شاہی افواج کا ساتھ دیا اور اپنے آپ کو جانست کی جنگ میں نمایاں کر دیا اور شہنشاہ کی جانب سے نواب کے خطاب سے سرافراز کر دیا گیا اس کے بعد شاہ عالم کا بیٹا حافظ رحمت خان علی محمد خان سے آملا۔ نادر شاہ افشار کے حملہ کے بعد پیدا شدہ شورش کے دوران علی محمد خان نے ایچا اور اس کے آس پاس کے پرگنوں پر قبضہ جمالیا۔ اس کے خلاف شکایتں بھی ہوئیں مگر اس نے مراد آباد کے فوجدار کی کوئی پرواہ نہیں کی اور جب موخرالذکر نے اسے بلا بھیجا اور اسے حاضر ہونے اور حکم بجالانے کے لئے کہا گیا تو راجاہرنند نے فوجدار کو ورغلایا کہ اس باغی افغان کے خلاف کوئی اقدام کرے اور خود لشکر کے ساتھ علی محمد خان کے خلاف آگے بڑھا۔ راجا کی فوج اصلت پور کی جانب بڑھا۔ علی محمد خان حافظ رحمت خان اور اس کے چچازاد بھائی دوندے خان کے ہمراہ انولا سے نکل کر فتح پور والا میں مقیم ہو گیا یہ جگہ ہرنند کی لشکر سے کوئی دو میل دور تھی۔ اس کے بعد کے معرکہ میں ہرنند کی فوج کو مکمل شکست فاش ہوئی۔ اس فتح کے بعد علی محمد خان نے سنبھل ' امروہہ ' مراد آباد اور بریلی پر بھی قبضہ جمالیا۔ اپنی سیاسی فراست اور عمدہ کارکردگی کی بنا

پر اس نے وزیر کو اس پر آمادہ کیا کہ جو علاقہ اس نے ہر نند سے ہتھیا۔ اس پر اپنا تصرف جمائے رکھے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد اس نے پھیلی بیت کو بنجاروں سے ہتھیا لیا۔ 1743 ء میں علی محمد خان نے کماؤں کے راجا پر حملہ کیا اور اسے شکست دیدی۔ اور الموڑہ پر قابض ہو گیا۔ اس کے ساتھ اسے یہ احساس ہو گیا کہ کماؤں کا انتظام سنبھالنا مشکل ہو گا اس نے اسلئے اسے گھڑوال کے راجہ کو واپس کر دیا اور خود انوالہ واپس چلا آیا۔

علی محمد خان کی اس ابھرتی ہوئی قوت نے صفدر جنگ کو فکر مند کر دیا اور اسے اپنا ایک پر خطر پڑوسی، مدمقابل اور رقیب سمجھنے لگا۔ اس نے اس کے ساتھ ایک تنازعہ کھڑا کیا اور بعد میں شہنشاہ کو ورغلایا کہ وہ خود اس پر حملہ آور ہوا اور اس کی سرکشی کی اسے سزادے۔ علی محمد خان نے کسی قسم کی مخالفت کرنے سے گریز کیا اور کسی شرط کے بغیر اطاعت قبول کرلی۔ وزیر کی مداخلت سے اس کی جان بخشی کی گئی مگر اس کو دہلی میں قید میں ڈال دیا۔ تقریباً چھ ماہ بعد اسے رہا کر دیا اور سرہند کا فوجدار بنا دیا مگر اس کے دو بیٹوں فضل اللہ خان اور عبداللہ خان کو دہلی میں نظر بند رکھا گیا۔ 1747 ء میں احمد شاہ ابدالی، علی محمد خان کے دونوں بیٹوں کو اپنے ہمراہ قندھار لے گیا۔ اس افراتفری کے زمانہ میں جو بعد میں ظہور پذیر ہو گیا وہ خود روہیلکنڈ واپس چلا گیا۔ اور جلد ہی اپنے پرانے مقبوضات پر قابض ہو گیا اور سیاسی حالات نے اسے یہ موقع فراہم کیا کہ وہ دہلی دربار کی اندرونی سیاست میں مداخلت کر سکے۔ اس طرح اس کو باقاعدہ طور اپنے مقبوضات پر تصرف کا حق دے دیا گیا۔ اور اسکی مرادآباد، دہم پور اور شیر کوٹ کی جاگیر بھی اسکے حوالہ کر دی گئی۔

اپنی وفات سے پہلے علی محمد خان نے اپنی جائیداد اپنے بیٹوں میں برابر برابر تقسیم کی اور سعد اللہ خان کو اس وقت تک اپنا جانشین بنا دیا تاوقتیکہ اس کا بڑا بیٹا قندہار سے واپس ہو اس نے رحمت خان کو سرپرست اور دوندے خان کو سالار عساکر مقرر کر دیا۔ 1749ء میں علی محمد خان کا انتقال ہو گیا اس وقت اس کی عمر پچاس برس کی تھی۔ وہ ایک بہادر سپاہی ایک محتاط اور کہنہ مشق جرنیل اور تجربہ کار اور بیدار مغز منتظم تھا۔

علی محمد خان کی وفات کے بعد صفدر جنگ نے روہیلوں کے خلاف اقدامات کرنا شروع کیئے۔ پہلے اس نے قطب الدین کو حکم دیا کہ ان پر چڑھائی کرے مگر دوندے خان نے اسکو شکست دیکر اسے مار ڈالا۔ اس کے بعد فرخ آباد کے کریم خان کو ان کے خلاف روانہ کیا اور اس نے ان سے مکمل اطاعت کا مطالبہ کیا۔ روہیلوں نے پہلے بات چیت سے معاملہ کو ختم کرنے کی کوشش کی مگر کریم خان جس کے پاس اس سے کہیں زیادہ طاقتور فوجی قوت اور مضبوط توپخانہ ہمراہ تھا۔ اس بات پر راضی نہیں ہوا۔ روہیلوں نے رسول پور کے مقام پر مجبوراً اس کا مقابلہ کیا اور کریم خان کی فوجی قوت کو نیست و نابود کر دیا۔ خود کریم خان بھی میدان جنگ میں مارا گیا۔

اس فتح کے بعد روہیلوں نے بدایون، مراد آباد اور پرام ناگر کے پرگنو پر بھی تصرف جما لیا۔ صفدر جنگ روہیلوں کو نیچا دکھانے میں ناکام رہا اور بعد میں اپنے پرانے حلیف بنگش نواب کے خلاف ہو گیا اور اس کے علاقے پر قابض ہو گیا اور اس کی والدہ اور خاندان والوں کو گرفتار کر کے ان کو اللہ باد بھیج دیا۔ مگر محمد خان بنگش کا ایک بیٹا احمد خان بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا اس نے فرخ آباد پر دوبارہ قبضہ جما لیا۔ جب صفدر جنگ

کے نائب نول رائے کو اودھ سے احمد خان کے خلاف بھیجا گیا۔ تو احمد خان نے اسکو شکست دیدی اور اسے قتل کر دیا۔ یہ لڑائی کالی ندی پر ہوئی تھی۔ اس کے بدلے میں صفدر جنگ نے ان تمام بنگش خاندانوں کو قتل کر وادیا جو اس کے تحویل میں تھے۔ اس کے بعد اس نے احمد خان پر حملہ کیا جس نے صفدر کی تمام لشکر کو نیست و نابود کر دیا اور اس کے توپخانہ پر بھی قابض ہو گیا۔ اور اس کے آخری پیادہ سپاہی کو بھی تیغ کر ڈالا۔ اپنی اس عبرتناک شکست ے بعد صفدر جنگ نے مرہٹوں اور جاٹوں کو اپنے دشمن کے خلاف اکھسایا۔ احمد خان نے انولہ کے روہیلوں سے اس کی امداد کرنے کی درخواست کی مگر رحمت خان اور دوندے خان نے اسے منظور نہیں کیا فقط سعد اللہ خان اس کی مدد کرنے پر راضی ہو گیا۔ رحمت خان اور دوندے خان کا یہ انکار انکی سرد مہری اور بے مروتی سے محمول کی جاسکتی ہے ان کے اس رویہ نے افغان کانفڈریسی کے تصور کو کھوکلا کر دیا۔ اور اس کے سرغنوں کو ایک دوسرے کا شاکی بنا دیا۔ احمد خان اور سعد اللہ خان کو شکست ہوئی اور صفدر جنگ گذشتہ تین سال کے بقایاجات کا تقاضا کرنے لگا۔ اس کے بعد کہیں جا کر حافظ رحمت خان اور دوندے خان کو ہوش آیا اور انکو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس تقاضے سے پہلو تہی کریں اور اپنے خاندانوں کو چلکیا کے جنگلات میں کماؤں کے پہاڑوں کے قریب پہنچا دیا۔ روہیلوں کو شکست ہوئی اور وہ چلکیا کے جنگلات میں جا چھپے۔ بالاخر صفدر جنگ ان کے شکست تسلیم کرنے پر راضی ہو گیا۔ روہیلوں نے اسے پچاس لاکھ روپیہ ادا کرنے پر ضامندی ظاہر کی اور مزید پانچ لاکھ سالانہ کی آدائیگی کا وعدہ بھی کیا۔

احمد شاہ ابدالی کے علی محمد خان کے بیٹوں کو ازاد کرنے کے فوراً بعد وہ انولہ چلے ائے مگر حافظ رحمت خان سے اپنا حق حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ بعد میں اس نے ریاست کو تقسیم کیا اور اسکے بڑے حصے پر خود قابض ہو گیا۔ رحمت خان کا یہ رویہ غیر منصفانہ اور بعد کے مورخین کی نظر میں قابل مذمت تھا اور بالآخر نواب وزیر اور نگریزوں کی مشترکہ سازش سے روہیلوں کی اس ریاست کا خاتمہ ہو گیا۔

ادھر دہلی میں صفدر جنگ نے مغل شہنشاہ کے معتمد غلام نواب بہادر جاوید خان کو قتل کرنے کا اقدام کیا جس پر شہنشاہ نے صفدر جنگ کو معزول کر دیا اب موخرالذکر کھلے بغاوت پر اُتر آیا اور اس نے جاٹوں اور مرہٹوں کی مدد سے دہلی کا محاصرہ کیا۔ مگر شکست کھائی اور اودھ جا پہنچا جہاں پر وہ بہت جلد کاربنکل کے عارضہ سے فوت ہو گیا۔ یہی وہ زمانہ تھا۔ جب صفدر جنگ نے اپنے کھوئے ہوئے مقام کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کی انہی ایام میں نجیب کی سیاسی زندگی کا آغاز ہو گیا اور اس کے بعد روہیلوں کی قیادت اس کی ذات پر مرکوز ہو گئی۔

فرخ آباد کے بنگش نواب

فرخ آباد کے بنگش نوابوں نے اٹھارویں صدی کے افغانوں کی تاریخ میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان کا جد اعلی محمد خان ماؤ رشید اباد میں 1665ء میں پیدا ہوا۔ ابھی وہ بیس سال کا نوجوان تھاجب افغانوں کے ایک ٹولہ میں شامل ہوگیا۔ اور بندھیلکنڈ جا کر وہاں کے راجاؤں کی ملازمت اختیار کر لی۔ اس کی دلاوری اور صلاحیتوں کی بدولت وہ اپنے اس ٹولہ کا سردار بن گیا۔ 1712ء میں وہ اپنے بارہ ہزار ساتھیوں کے ہمراہ فرخ آباد چلاآیا اور 1713ء میں ساموگڑھ کی لڑائی میں جہاندار شاہ کے خلاف اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ اس کی ان خدمات کے عوض اسے نواب کا خطاب دیا گیا اور اس کے اپنے ضلع اور بندھیلکنڈ میں اسے ایک بڑا جاگیر عطا کیا گیا۔ بار با کے سادات اور وہاں کے تورانیوں کے مابین کشمکش کے دوران وہ غیر جانبدار رہا۔ 1720ء میں وہ محمد شاہ کا حلیف بنا اور سید عبداللہ کے خلاف ڈٹ گیا۔ اس کے صلہ میں اسکا عہدہ بڑھا دیا گیا اور اسے غضنفر جنگ کے خطاب سے نوازا گیا اس کے ساتھ اسے سات لاکھ روپے نقد اور بھوجپور اور شمس آباد کے پرگنے بھی اس کے جاگیر میں شامل کر دیئے گئے۔ اس کے بعد اس کا کردار متنوع مگر شاندار رہا اور نادر شاہ کی واپسی پر وہ باالآخر اپنے علاقے میں چلا آیا۔ محمد خان کا انتقال 1743ء میں واقع ہوا۔ اس وقت اس کی عمر اسی سال کی تھی۔

اس کے بڑے بیٹے قیصر خان نے اس کی جگہ سنبھالی۔ جب 1748ء میں صفدر جنگ وزیر بنا اس نے روہیلوں کو کمزور کرنے اور آخر میں ان کو نیست و نابود کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ مگر وہ اپنے علاقہ روہیکنڈ میں مضبوطی سے جم گئے تھے۔ ایک وقائع نگار کی نظر میں اس کے راستے میں روہیلے سانپ بن کر بیٹھے تھے۔ وہ بنگش نوابوں کو بھی پسند نہیں کرتا تھا اور ان سے خوفزدہ تھا۔ اس لئے ان کو ایک دوسرے کے خلاف اکھسانے پر اتر آیا تھا۔ وہ شہنشاہ سے یہ حکمنامہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ قیصر خان کو روہیلوں کے خلاف ایک مہم کی سربراہی کرنے اگر وہ ان کو نکال باہر کرنے میں کامیاب ہو گیا تو اس کو روہیلکنڈ کا گورنر بنا دیا جائیگا۔ قیصر خان اپنی نا سمجھی کی وجہ سے اس دام تزویر میں پھنس گیا اس نے اسے منظور کر لیا مگر 1748ء میں اسے شکست ہوئی اور جنگ میں مارا گیا۔ قیصر خان کا بھائی اسلام خان اس کی جگہ نواب بنا۔ صفدر جنگ اپنے اس حلیف کے خلاف ہو گیا اور فرخ آباد پر قابض ہو گیا اس کے بعد اس نے تمام بنگش علاقہ جات ان سے چھین لئے مگر نواب محمد خان کا دوسرا بیٹا بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا اور بعد میں وہ ایک بڑی جمعیت کو اپنے گرد جمع کرنے میں کامیاب ہو گیا اور راجا نول رائے کو شکست دیکر اسے قتل کر دیا جس کو کہ صفدر جنگ نے بنگش علاقہ جات کو اپنے تحویل میں لینے کے لیے مقرر کیا تھا۔ اس کے بعد دوسری لڑائی انکے درمیان واقع ہوئی جس میں صفدر جنگ اور اس کے حلیفوں کو ایک بار پھر منہ کی کھانی پڑی اور احمد خان نے کوئل سے لیکر اکبر پور، شاہپور اور کانپور تک سبھی علاقوں پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔

دہلی کی طرف احمد خان کی پیش قدمی کو شہنشاہ کی مصالحانہ رویہ کی ایک مکتوب نے رکوادی مگر بنگش نواب دشمن کے قلعوں اور پرگنوں کو فتح کرتا ہوا آگے بڑھا۔ موخر

الذکر نے بہ امر مجبوری مرہٹوں جیا پاسند ہینا اور ملہار راؤاور جاٹ راجا سورج مل سے امداد طلب کی۔ اس طرح خود کو مضبوط کر کے احمد خان کو ناکام بنا دیا اور اس کو روہیلوں کے ہاں انولہ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا اور بعد میں وہ کماؤں کی طرف بھاگ کر چلا گیا۔ احمد شاہ ابدالی کے حملے کی خبر مارچ 52 17ء میں اس کے لئے اچھا شگون ثابت ہوا اور احمد خان مرہٹوں کو گیارہ پرگنوں کا لگان دینے پر راضی ہو گیا۔ یہ سلسلہ 1761ء میں مرہٹوں کی شکست تک بحال رہا۔

احمد خان نے پانی پت میں اعلیٰ کارکردگی دکھائی اور اپنے ان تمام مقبوضات کو ایک بار پھر حاصل کرنے کا یہ نادر موقع اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ مگر اس نے اس کو شجاع الدولہ سے نزاع مول لینے کا موقع فراہم کیا۔ روہیلہ نواب حافظ رحمت خان اور نجیب الدولہ کے بیچ میں آنے سے جنگ کی نوبت پیش نہیں آئی۔ 1769ء میں مرہٹوں نے ایک بار پھر شمالی ہندوستان کی جانب قدم بڑھانے کا عزم کیا اور جاٹ راجا کو شکست دینے اور نجیب کو غیر جانبدار بنانے کے بعد انہوں نے احمد خان بنگش کے علاقہ پر حملہ کیا۔ موخرالذکر تنہا ہونے کی وجہ سے بہ امر مجبوری ان گیارہ پرگنوں کو ایک بار پھر مرہٹوں کے حوالہ کرنے پر راضی ہو گیا جو 1761ء سے 1771ء تک ان کے تحویل میں دیئے گئے تھے۔

جاٹ

اورنگزیب کے آخری ایام حکومت میں جاٹ آگے آئے۔ مغلوں کی بے اعتدالیوں اور سفاکیوں کی وجہ سے رعایا کی حالت ناگفتہ بہ ہو چکی تھی اس نے عام زمیندار اور کاشتکار طبقہ میں ہیجان اور بے اطمینانی کو جنم دیا تھا۔ دہلی اور آگرہ کے مضافات کے چھوٹے بڑے کاشتکار اور زمیندار ان کی ناشائستہ سلوک سے نالاں تھے۔ ان میں چند سر برآوردہ شخصیات راجارام، بھاجا، سوکلا اور چورامن اور مان سنگھ شامل تھے ان میں بدان سنگھ نے جاٹوں کو ایک مضبوط جنگی قوت میں جمع کیا۔ بداں سنگھ چورامن کا بھتیجا اور بھاؤ سنگھ کا بیٹا تھا۔ اس نے تقریباً پورے آگرہ اور متھورا کے اضلاع پر اپنا تسلط جمالیا۔ اس نے ایسے سارے حربے استعمال کئے جن سے اسے اپنی کامیابی کی امید ہو سکتی تھی۔ اس کے مرنے کے بعد 1756ء میں اس کا متبنی سورج مل اس کا جانشین ہو گیا۔ اور اس کے زمانے 1763 - 1756 میں جاٹ ریاست کو فروغ ملا اور شمالی ہندوستان کی سیاست میں اس کو نمایاں حیثیت حاصل ہو گئی۔ جاٹ ملک کے اہم حصہ پر قابض ہوگئے اور اس کی بدولت ان کو مغلوں، مرہٹوں اور راجپوتوں کے مابین اہم سیاسی کردار ادا کرنے کا موقع ہاتھ آیا تھا۔ سیر المتاخیرین کے مصنف کے مطابق سورج مل جاٹ راجا ایک مضبوط اور طاقتور شخصیت کا مالک تھا جس کے خلاف نجیب کئی سال نبرد

آزمارہا۔ سورج مل جاٹ راجااس کا قریبی پڑوسی تھا وہ ایک ایسا راجا تھا جس نے خود کو اپنے اخلاق و عادات اور بہتر قیادت کی بدولت اپنے لوگوں میں ہر دلعزیز بنا دیا تھا۔ وہ ایک کامیاب جرنیل اور اعلی درجہ کا منتظم تھا کوئی اور ہندو راجا اس کے مد مقابل نہیں تھا۔ اس نے چار قلعے اسطرح مرمت اور از سر نو تعمیر کرائے تھے جن کو ہندوستان کا کوئی طاقت نہ تو محصور کر کے قبضہ کراسکتا تھا۔ اور نہ ہی ان پر قبضہ جما سکتا تھا۔ اس نے ان میں اسقدر اناج اور اسلحہ بارود جمع کرایا تھا کہ وہاں مقیم افواج اس پر کئی سال تک گذارہ کر سکتے تھے۔ مگر ان کی تفصیل میں اس وقت جانے کی ضرورت نہیں۔ اس کے اسطبل میں بارہ ہزار گھوڑے اور اسی تعداد کے گھوڑ سوار موجود تھے اور ان سے ہر قسم کی باقاعدہ جنگی مشق کرائی جاتی تھی۔ یہ سپاہی گھوڑ سواری، نیزہ بازی اور نشانہ بازی میں اسقدر ماہر ہوگئے تھے۔ کہ ہندوستان بھر میں کوئی بھی ان کا مد مقابل نہیں تھا۔ اور اس راجا سے کوئی بھی لڑائی مول لینے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ مرہٹوں نے کئی بار اس پر حملہ کیا اور ابدالی افغان بھی اس سے متصادم ہوئے مگر کامیاب نہیں ہوئے۔ اور اس کو کوئی بھی خراج دینے پر مجبور نہ کر سکا۔ یہ محض اس کا فوجی حکمت عملی تھی جو افغانوں اور روہیلوں سے تصادم میں اس کے کام آئی۔ اور اس موقع پر جب وہ ابوالمنصور خان کی امداد کے لئے جا پہنچا۔ وہ مسلسل ایک یا دوسرے کو سرزنش کرتا گیا اور خود کامیاب و کامران واپس آجاتا یہاں تک کہ وزیر جیسی شخصیت بھی اس کی امداد و اعانت کا خواستگار ہو گیا تھا۔ مگر سورج مل بے حد پر عزم اور بیقرار قسم کی شخصیت کا مالک تھا اور جوں جوں اس کی زمینداری اور مقبوضات پھیلتے گئے اور وہ شاہجہان آباد کے قریب ہوتا گیا ہر کہیں وہ اپنے ہمسایوں کی کو نکال باہر کرنے پر تلا رہتا اور ان کی املاک پر قابض ہو جاتا۔ اس کا یہ رویہ بے حد قابل

مذمت تھا اور اسے نجیب الدولہ کسی صورت میں برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ دونوں کے مابین اختلافات رونما ہوئے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ نجیب الدولہ اس کے کردار اور طاقت سے خائف تھا اور یہ کہ وہ اپنے اس جذبے کو ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے کہ ان دنوں ہندوستان کے اندر کوئی اور اس جیسا راجہ یا سپہ سالار موجود نہیں تھا جو اس کے مقابلہ پر آتا اس کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے ابوالمنصور کی اس وقت عملی امداد کی جب وہ بنگش نواب محمد خان اور افغانوں سے الجھ گیا تھا اور بعد ازاں جب فاتحانہ انداز میں مرہٹوں سے بر سر پیکار رہا تو ہر لمحے اس نے خود کو نہ صرف وزیر عماد الملک اور ذوالفقار جنگ کی نظروں میں قابل قدر کر دیا بلکہ خود ابدالیوں نے بھی اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ یہاں تک تو یہ بات کسی قدر صحیح ہے کہ ابوالمنصور خان کی افغانوں پر اس کی کامیابی بڑی حد تک جاٹ راجا کی اعانت سے ہوئی۔ مگر اب جبکہ اس کے ایام گنتی کے رہ گئے تھے اور اس کا انجام قریب تھا اس کی یہ تمام قلعہ بندیاں اور حرب و ضرب کی تیاریاں اور لشکر و سپاہ اور اس کی تمام تر شخصی خوبیاں اس کے کام نہ آ سکیں اور وہ ایک معمولی مقابلہ میں قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد اس کی جگہ اس کے بیٹے جواہر مل نے سنبھالی وہ اس کے تمام بیٹوں میں زیادہ قابل بھی تھا۔ مگر وہ برخود غلط اور خود سر طبعیت کا مالک تھا۔ سب کچھ اپنی مرضی سے کرتا تھا۔ جس نے اسے بدراہ کر دیا تھا اور اس میں اپنے والد کی وہ خوبیاں نہیں تھیں جن کی بدولت وہ موقع و محل کا فائدہ اٹھا لیتا۔

سکھ

اٹھارویں صدی میں مشرقی پنجاب میں سکھوں نے فوجی طاقت حاصل کرلی۔ یہ پانچویں گروارجن سنگھ کا زمانہ تھا۔ سکھ ایک چھوٹا سا غیر معروف اور معمولی سا فرقہ تھا۔ قلاش و مفلس اور ان کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں تھی۔ گروارجن سنگھ پہلا شخص تھا جس نے اپنے ماننے والوں کو منظّم کیا اوران کو ایک برادری کی شکل میں متحد کر دیا۔ شہزادہ خسرو کے ساتھ اس کی سیاسی تعاون نے اس کی اپنے والد کے خلاف بغاوت کے موقع پر سکھوں کو شہنشاہ جہانگیر کے غیض و غضب کا نشانہ بنادیا ارجن کو سزا دینے سے ہر دو مذاہب کے ماننے والوں میں مستقل بنیادوں پر اختلاف نے جنم لیا وہ مذاہب جن سے توقع ہوسکتی تھی کہ ان میں دوستی اور تعاون کو تقویت ملے گی وہ اب ایک دوسرے سے دور ہوتے گئے۔

گروہرند سنگھ کے زمانے میں جو کہ گوروارجن کا جانشین تھا اس کے گرو ہونے کے رویہ میں تبدیلی آنے لگی۔ جیسا کہ مورخ بینر جی کا خیال ہے کہ ان میں اچانک عسکریت کی طرف میلان بڑھنے لگا۔ جبکہ گرو نانک نے تو یہ کہا تھا۔ کہ ایسے اسلحہ سے خود کو مسلح کرو جو کسی کو کسی قسم کا نقصان نہ دے سکے۔ اپنے رویہ کو ایسا رنگ دو کہ دشمن بھی تمہارا دوست بن جائے۔ جراتمندی دکھاو مگر ہتھیاروں سے نہیں بلکہ

خدا کے فرمان کے ذریعہ۔ گروارجن سنگھ کی اپنے جانشین کو اس کی آخری وصیت دو باتوں پر محیط رہی ایک ظاہری اور دوسری باطنی اور وہ یہ تھی میں نے اپنی زندگی کا مقصد پا لیا ہے۔ میرے بیٹے ہر گوند کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ سوگوار مت ہونا اور نہ خود کو مردہ کی آہ وبکا میں لگائے رکھو۔ اپنے خدا کو یاد کرنا اور اپنی گدی پر پوری طرح مسلح ہو کر بیھٹنا اور اپنے لئے ایک مضبوط لشکر تیار کرنا۔

اس وقت سے سکھ گرو مغل بادشاہوں کی نگاہوں میں کھٹکنے لگے۔ اورنگزیب کے زمانہ میں گرو تیغ بہادر کو قتل کروایا گیا۔ گرو گوبند سنگھ عظیم گروں کے آخری گرو نے سکھ برادری کو ایک جداگانہ مذہبی اور عسکری وحدت بنا دیا۔ اس کے بعد مذہبی جذبے کو سکھوں کے عسکری جذبہ میں تبدیل کر دیا گیا۔ فار کو بند کے مطابق اس تبدیلی سے دو طرح کے نتائج نمودار ہوئے۔ ایک یہ کہ خالصہ مغلوں کے آگے ڈٹ جانے کے لئے مضبوط ہو گئے اور دوسرے یہ کہ ان کی اس تنظیم نے ان کو ملک کی دیگر باشندوں سے جدا کر دیا۔ مذہب کو عسکریت میں تبدیل کرنے نے چند ایک اور بُرے نتائج کو جنم دیا۔ سکھوں میں اب مذہبی دعوت کا جذبہ باقی نہیں رہا اور ان کی دینی زندگی بے اثر ہونے لگی۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ گروؤں کو مغل حکمرانوں کی غلط روی نے عسکریت کی طرف راغب کر دیا۔ اس نے آگے چل کر عداوت اور دشمنی کے ایسے بیج بو دئے۔ جس میں تلخی اور بیگانگی کے ساتھ مذہبی جنون کے جذبات نمایاں رہے اور باندا کے بر سر اقتدار آنے اور سکھوں کی پنجاب میں طاقت پکڑنے نے اس فرسودہ داستان کو جنم دیا۔ جس میں بغاوت کے ساتھ ساتھ ظلم و تعدی کا سلسلہ چل نکلا۔ ہر دو طرف سے صنف و عمر کی کوئی تخصیص روا نہیں رکھی گئی۔ نہ کسی کو کسی کی مقام و

شخصیت کی پرواہ رہی۔ اور نہ دین و مذہب یا مسجد و مندر کی۔ دینی کتب اور متبرک صحیفوں کا احترام بھی باقی نہیں رہا۔ سختی اور تشدد نے سکھوں کے ارادوں کو اپنے راہنماوں کا انتقام لینے کے لئے مضبوط کر دیا اور وہ پنجاب میں پیر جمانے اور طاقت پکڑنے میں کامیاب ہوگئے۔ سکھوں کے ایک گانے کے بول میں کہا گیا ہے کہ " منو (لاہور کا مغل گورنر) ہمار درانتی ہے اور ہم اس کا فصل کے مانند ہیں وہ ہمیں جس قدر کاٹتا ہے۔ اس سے کہیں بڑھ کر ہم بڑھتے ہیں" ایک لمبے عرصہ تک صورت حال کچھ ایسی ہی رہی مگر بعد میں وہ ہتھوڑا بن گئے تھے۔ باندا کے انتقال کے بعد سکھوں نے خود کو دو چھوٹے سیاسی حصوں میں منظّم کیا۔ یہ باندادل اور ترن دل کہلائے موخر الذکر مذید پانچ جھتوں میں بٹ گئے اور بعد میں یہ مزید بارہ مسل میں تقسیم ہوگئے۔

سکھوں کے پنجاب میں اقتدار میں آنے اور باالآخر ایک مختصر سے عرصہ کے لئے پنجاب اپنی ریاست قائم کرنے میں کامیاب رہے۔ یہ محض ان کی اپنے گروؤں سے وفاداری اور عقید تمندی کا ثمرہ تھا۔ مزید ان کی جنگجو یانہ صلاحیت جراتمندی اور بے خوفی ان کو فتح و نصرت سے ہمکنار کرنے لگی۔ پنجاب کے مغل گورنروں کی طاقت میں کمی بالخصوص مرکزی حکومت کی صوبائی نظم و نسق میں مسلسل مداخلت اور باہر کی طرف سے روز افزوں دباؤ اور حملے وہ عوامل تھے جس نے سکھوں کو یہ موقع فراہم کیا کہ وہ خود کو ایک مضبوظ فوجی طاقت میں منظّم کردیں اس کے نتیجہ میں آخر کار پنجاب میں مغلوں اور افغانوں سے اقتدار چھین لینے میں وہ کامیاب ہوگئے اور 1765ء میں وہ لاہور پر قابض ہو گئے۔ اس کے بعد پنجاب میں انکی باقاعدہ عملداری اور حکمرانی کا دور شروع ہو گیا' سکھوں کا یہ دعویٰ کچھ اسطرح ظاہر کیا گیا۔

دیگ و تیغ و فتح و نصرت بے درنگ

یافت نانک و گرو گوبند سنگھ

سکھوں کی دوابہ پر پہلی یورش باندا کے زیر قیادت عمل میں آئی اس میں وہ جمنا پار راج گھاٹ تک آ پہنچے۔ انہوں نے سہارنپور' نانوتہ اور کئی ایک اور مقامات کو پامال کر دیا۔ اس قسم کی بربریت اس سے پہلے کسی نے کبھی ان علاقوں میں نہیں دیکھی تھی۔ اور اس سے پہلے کسی زمانے میں اس قسم کی دراز دستیاں کبھی نہیں ہوئی تھیں۔

پانی پت کی لڑائی اور نجیب الدولہ کی دہلی میں مصروفیات کی وجہ سے سکھوں کو دوآبہ پر دھاوا بولنے کا موقع ہاتھ آیا۔ یہ عمل کچھ یوں تسلسل سے جاری رہا جیسے کوئی کسی کھیتی میں فصل کی کٹائی میں مصروف رہے۔ مورخ ویلیمز کے مطابق وہ باقاعدہ طور پر ہر قصبہ اور شہر سے اپنا بھتہ وصول کرتے۔ ان کے اس وصولی کو وہ کبھی راکھی اور کبھی کمبلی یا چادر کا تحفہ کہتے۔ ہر ایک کا اپنا ایک مخصوص طریقہ تھا۔ جب سکھ سپاہی گاؤں گاؤں پھرتے وہ اپنے کچھ اشیاء کو راستے میں گرا دیتے کوئی نیزہ یا تلوار' چادر یا گھوڑے کا زین وغیرہ اور بعد میں راکھی کا تقاضا کرتے۔ اسطرح وہ خود کو اس مقام کا محافظ ظاہر کرتے' اس قسم کی عملداری کئی مقامات میں انہوں نے قائم کر دی تھی۔ اور دیہاتی ان کے اس وصولیابی پر مجبور تھے اور کسی صورت میں بھی اس سے انکار نہیں کر سکتے تھے۔

احمد شاہ ابدالی

احمد شاہ ابدالی ہرات کے سدوزئی قبیلہ کے زمان خان کا بیٹا تھا۔ جب نادرشاہ نے غلجیوں کو قندہار سے نکال کر باہر کیا تو اس نے ابدالیوں کو وہاں پر آباد کیا اور احمد کو اپنی ملازمت میں قبول کیا جو بعد میں ایک ہزار سپاہ کے ایک دستے کا کماندار بنا دیا گیا۔ وہ نادر شاہ کے ہمراہ ہندوستان پر اس کے حملہ آور ہونے میں اس کے ساتھ رہا۔ جب 1748ء میں نادر شاہ کو قتل کیا گیا تو اس موقع پر احمد شاہ نے نادرشاہ کے کیمپ کو پامال کیا اور اسے لوٹ کر وہ واپس قندہار جا پہنچا۔ اسے ابدالیوں کا سربراہ تسلیم کیا گیا اور در دران کہلایا۔اور اس کا قبیلہ درانی کہلائے۔ اس کے فوراً بعد اس نے ان صوبہ جات پر دعویٰ کیا جو نادرشاہ نے محمد شاہ سے ہتھیا لئے تھے اور ان کو درانی سلطنت کا حصہ بنا دیا۔ اس نے قندہار، غزنی، کابل ، ہزارہ، پشاور، ڈیرہ جات، ملتان اور سندھ کو اپنی عملداری میں شامل کیا۔ اس کے بعد اس نے ہندوستان پر حملہ کرنے کی ٹھان لی۔ جو کہ اس نے 1748ء اور 1769ء کے درمیانی عرصہ میں کئی بار جاری رکھا۔ جہاد و فتح مندی کا خوگر اور مال غنیمت کے ہاتھ آنے کی خواہش اور اس کے لشکریوں کی مجاہدانہ روح اور شوق جہاد و پیکار کے لئے افغانستان میں مال وزر کی فراہمی اور ضروریات دیگر ممالک کے مقابلہ میں کچھ زیادہ تھی۔ اپنی فوجی طاقت کو مضبوط کرنے اور لشکر و سپاہ کو باقاعدگی سے ان کا مشاہرہ ادا کرنے کے لئے بہ امر مجبوری اس کو اس کی فراہمی ضروری تھی۔ یہی ہندوستان پر اس کے حملوں کا باعث رہا۔

احمد شاہ پہلی بار ہندوستان پر جنوری 1748ء میں حملہ آور ہوا مگر مانپور کی لڑائی میں اسے شکست ہوئی۔ 1750ء میں بھی وہ ایک بار پھر پنجاب پر حملہ آور ہوا اور لاہور کے گورنر میر منو کو شکست دیکر اس نے پنجاب کو فتح کیا۔ 1751ء میں ایک بار

پھر اس نے میر منو کو شکست دیدی۔ اور کشمیر پر قابض ہو گیا اس بار اس نے مغل شہنشاہ کو مجبور کیا کہ اس کے حق میں سر ہند تک کے تمام علاقہ سے دستبر دار ہو جائے۔ میر منو جس کو ابدالی نے لاہور میں اپنا نائب بنا کر چھوڑا تھا 1753ء میں اس دار فانی سے چل بسا۔ مغلانی بیگم نے جو کہ وہاں کی ایجنٹ بنی تھی نے خود کو مشکل میں پایا اس نے باہر سے امداد طلب کی۔ عماد الملک نے اس بد نصیب صوبہ پر 1756ء میں حملہ کیا۔ شہر لاہور کو لوٹ لیا اور حملہ آور نے مغل شہنشاہ سے اس صوبے کی مغلیہ سلطنت میں ادغام کی منظوری حاصل کر لی۔ اس پر احمد شاہ نے ایک بار پھر ان علاقوں کو اپنے تصرف میں کر دیا۔ مگر عماد کو معاف کر دیا اور اپنے بیٹے تیمور شاہ کو لاہور کا وائس رائے بنا دیا۔

1758ء میں جالندھر کے گورنر ادینا بیگ نے افغانوں سے بغاوت کی اور سکھوں اور مرہٹوں کی اعانت سے لاہور پر قابض ہو گیا۔ 1759ء میں ایک بار پھر ابدالی ہندوستان میں وارد ہوا اور پنجاب کو ایک بار پھر فتح کیا' افغانوں اور مرہٹوں کے مابین فیصلہ کن لڑائی اب حتمی تھی۔ دو سال بعد 1761ء میں افغان بادشاہ ہندوستان میں مقیم افغانوں کی امداد و تعاون سے مرہٹوں کو پانی پت کے میدان میں فیصلہ کن شکست فاش دینے میں کامیاب ہو گیا' اس نے نجیب الدولہ کو دہلی کے شہنشاہ کے دربار میں اپنا نمائندہ بنا دیا۔ اور خود واپس قندہار چلا گیا۔

1767ء میں بادشاہ ایک بار پھر ہندوستان چلا آیا اس لئے کہ سکھوں نے لاہور کے درانی گورنر خواجہ عابد کو قتل کیا تھا اور شہر پر قابض ہو گئے تھے۔ بعد میں اسے اپنے ملک واپس جانا پڑا تا کہ وہاں کی ایک شورش کا قلع قمع کر دے۔ اس نے سکھوں کے ملک کو زیر کر دیا۔ مگر اس سے وہ کوئی مستقل فائدہ نہ اٹھا سکا۔ نجیب الدولہ اس کی خدمت میں حاضر ہوا اور جب بادشاہ نے دہلی تک جانے کی خواہش ظاہر کی تو نجیب نے سختی سے اسے منع کیا اور اس سے درخواست کی کہ وہ پنجاب میں سکھوں کی سرزنش

کرے اور اپنے گھریلو معاملات پر توجہ فرمائیں۔ نجیب کے ساتھ بادشاہ کی امداد اس قدر تھی کہ اس نے نجیب کے ہمراہ سکھوں کے خلاف دوابہ کی طرف لشکر روانہ کی اور 1767ء کے مئی کے چودہ تاریخ کو نانوتہ میں سکھوں کی سرزنش کی اور یوں نجیب کی تسلی اور تشفی کر دی۔ 1769ء میں بادشاہ کا آخری حملہ ناکام رہا۔ وہ اپنے ملک کو واپس چلا گیا اور چودہ اپریل1772ء کو اس کا انتقال ہو گیا۔

مؤرخ کننگھم کے مطابق وہ ایک شاندار افغانی شخصیت کا مالک تھا جس نے اپنے نابغہ صلاحیتوں کی بدولت ایک افغان سلطنت قائم کی۔ اس کی سب سے بڑی کامیابی اس کی افغان قبائل کو یکجا کرنا اور ان میں اتحاد و یگانگت پیدا کرنے کی صلاحیت تھی جو کہ ایک افغان حکومت، ملک اور سلطنت میں ظہور پذیر ہوئی۔ اگرچہ وہ مغل بادشاہ بابر کی طرح ہندوستان میں ایک افغان سلطنت کی داغ بیل ڈالنے میں کامیاب تو نہیں ہوا مگر اس نے مغلوں کی قوت و طاقت کو مجروح کر دیا۔ پنجاب کو سکھ تصرف کے لئے کھلا چھوڑ دیا۔ اور بالواسطہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں باہمی اتحاد کی وہ امید ختم کر دی جو انگریزوں کی ابھرتی طاقت کا مقابلہ کرتی۔ پانی پت کی لڑائی کے بعد انگریزوں کی سیاست شمالی ہندوستان کا ایک اتحادیہ بنانے میں کامیاب رہی۔ بعد میں وہ بہار اور بنگال میں ایک مدافعتی قوت کے طور پر مرہٹوں سے نبرد آزما ہوئی۔

اودھ

اودھ کا پہلا نواب محمد امین تھا جو سعادت خان کے نام سے جانا جاتا تھا۔ وہ شاہ پور کے سادات کی ایک اشرافیہ خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا باپ مرزا ناصر بہادر شاہ کا ملازم تھا۔ محمد امین ہندوستان میں فرخ سیر کے دنوں میں وارد ہوا تھا اور شہنشاہ کے محافظ دستے کا سربراہ مقرر ہوا تھا۔ بعد میں وہ اگرہ کا گورنر بنا۔ 1720ء میں سید برادران کی معزولی کے بعد اسے اودھ کا صوبیدار بنا دیا گیا۔ 1739ء میں اس کا انتقال ہوا اور اس کے بھتیجے اور داماد منصور علی خان صفدر جنگ نے اس کی جگہ لے لی۔ صفدر جنگ پہلا نواب وزیر بنا۔ اور نواب اودھ اور سلطنت کے وزیر کے دو اہم عہدے اس کے ہاتھ ائے 1756ء میں اس کا بیٹا شجاع الدولہ اس کا جانشین بنا جو شمالی ہندوستان کی سیاست میں ایک اہم مقام کا مالک رہا1775ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔

اپنے باپ کی طرح شجاع الدولہ بھی افغانوں کی ہندوستان میں ان کی روزافزوں طاقت سے خائف رہا۔ فرخ آباد کے بنگش نواب احمد خان، نواب دوندے خان اور نواب رحمت خان بریلی۔ پیلی بھیت اور مراد آباد میں اور دہلی میں نجیب الدولہ کی زبردست طاقت و قوت اسے ایک آنکھ نہ بھاتی تھی مگر وہ کسی مستقل پالیسی پر عمل پیرا نہیں تھا وہ پانی پت کی جنگ میں بھی بے دلی سے شریک ہوا تھا۔ 1761ء کے بعد اس

کی تمام تر توجہ مشرق کی جانب رہی اور وہ شاہ عالم کی جلاوطنی کا پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش میں رہا۔ بہار اور بنگال کے معاملات میں اس کی دلچسپی سے اسے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا' اس کے برعکس اس کے اپنے علاقے میں انگریزوں کو مداخلت کرنے کا موقع ملا وہ ایسا کرنے میں وہ فقط اسقدر کامیاب ہوا کہ اسے عارضی طور پر روہیلوں کو نیست و نابود کرنے میں کامیابی نصیب ہوئی۔ ان سے اس کی یہی دشمنی اسے ورثے میں ملی تھی۔ اگرچہ نجیب خود صفدر جنگ کا جانی دشمن تھا پھر بھی اس نے شجاع الدولہ کے ساتھ دوستی نباہ رکھی۔ اور اس کو کبھی نیچا نہیں دکھایا۔ یہاں تک کہ بنگش نواب احمد خان روہیلہ' نواب رحمت خان اور نواب دوندے خان تینوں نے اس کو اس بات پر امادہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ شجاع الدولہ کے خلاف اُن کے اتحاد میں ان کے ساتھ شامل ہو جائے۔

نجیب الدولہ

وہ ایک ان پڑھ شخص تھا مگر اس نے اپنی زندگی کے تجربات سے ہمیں جو کچھ عنایت کیا وہ بلا شبہ علم خانہ دانش کا ایک باب تھا۔ علم در اصل انجانے راہوں سے واقف ہونے کے سفر کا نام ہے یہ زندگی کے مسائل سے نبرد آزما ہونے اور ان کے حل کرنے کا وسیلہ ہے۔ علم کو ام الکتاب بھی کہتے ہیں لیکن زندگی کے مسائل اور فکر و نظر کے عقدے حل کرنے کے اور بھی بہت سے ذرائع ہیں۔ ان تمام ذرائع کو علم سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔

سیکھنے سکھانے کی کتاب کا درس و تدریس اور مکتب و استاد سے تعلق بے شک ضروری ہے۔ مگر صاحب سیف و قلم خوشحال بابا نے تو اس شہر کے بے شمار راستوں کا ذکر فرمایا ہے۔ محض لکھنے پڑھنے کو علم سمجھنا کم علمی ہی تو ہے۔ علم کے شہر کی راہیں اب ہزار کیا ہزاروں ہیں جو کوئی اس کے جس راہ پر چل نکلا وہ اپنی منزل پر پہنچ گیا۔ یہی اس کا راستہ بنا اسی پر اسے اپنا رہبر اور رہنما مل گیا۔ اس دعا کے ساتھ کہ :

ربی زدنی علما۔

تحریر تو محض اپنے تجربات اور اپنی ادھوری دانست او معلومات کے خزینے کو محفوظ کرنے اور اپنے خیالات و افکار دوسروں کے لئے چھوڑ جانے اور ان تک منتقل کرنے کا ایک وسیلہ ہے۔ اس ارادے سے لکھے گئے خیالات و افکار کے انضباط کا مجموعہ کتاب کہلاتا ہے۔ مگر وہ جو نہ لکھنا جانتے ہیں اور نہ پڑھنے سے آشنا ہیں وہ بھی تو اپنے افکار' خیالات اور تجربات رکھتے ہیں اور ان کو دوسروں تک منتقل بھی کرتے ہیں۔ وہ بھی تو اپنے حافظہ کی کتاب رکھتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ کوئی تو اسے کھول کر پڑھ سکتا ہے اور کوئی اس سے بے بہرا ہوتا ہے۔ بہت ساری باتیں لوگ ایک دوسرے سے سننے' دیکھنے اور ان کے کرنے سے سیکھتے ہیں۔

علم و حکمت کے خزینے سے استفادہ محض شعوری کوشش سے ممکن ہو جاتا ہے۔ مشہور سیاح مارکوپولو نے اپنا طول طویل سفر نامہ اپنے حافظہ میں محفوظ کیا تھا۔ ہم سب اسی شعوری کوشش کے راستے پر زندگی کے راہ نورد مسافر ہیں۔ تحریر اور مطالعہ کتب بینی اور شاگردی تو محض اس میں آسانیاں اور سہولتیں پیدا کرتی ہیں۔ یہ ہماری راہنمائی کا ذریعہ ہوتی ہیں۔ اور ہمیں راستے اور سمتیں بتاتی ہیں۔ سیکھنے اور سکھانے میں مدد دیتی ہیں۔ مسائل سے آگاہ کرتی ہیں اور ان کا حل بھی بتاتی ہیں۔ دوسروں کے تجربات اور سمجھ بوجھ سے ہی تو یہ علوم کے خزانے ہمارے حصے میں آتے ہیں۔ اور اسے ادب اور سائنسی علوم کا نام دیا گیا ہے۔ اسی لئے تو کہتے ہیں صحیفے سمندر جیسے ہیں۔ کتاب کی مثال دریا کی ہے یہ ذہنوں کو سیراب و شاداب کرتی ہیں۔

یہ جنوری 1956 کا سال تھا۔ میں گورنمنٹ کالج لاہور کا طالبعلم تھا۔ ان ایام میں مجھے بھی اپنے دوسرے ہم جماعت ساتھیوں کے ہمراہ بھارت اور اس وقت کے مشرقی پاکستان) موجودہ بنگلہ دیش (کے تعلیمی دورہ کرنے کا موقع ملا۔ اس میں ہمیں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں بھی چند روز گزارنے پڑے۔ ہم وہاں ایک بین الاقوامی جغرافیہ کانفرس میں بطور آبزرور شامل ہوئے۔ اسی موقع پر ہماری ملاقات یونیورسٹی کے ایک نامی گرامی مورخ پروفیسر عبدالرشید سے بھی ہوئی۔ موصوف نے روہیلکنڈ کے روہیلہ پشتونوں کی تاریخ کے بارے میں ہمیں بہت کچھ بتایا۔ شمالی ہندوستان میں پشتونوں کی اس نوآبادی اور یہاں پر ان کی قائم کردہ ریاست کی تاریخی تفصیلات سے ہمیں آگاہ کیا۔

روہیکنڈ کے یہ نوآبادکار پشتون روہیلہ افغان کے نام سے پہچانے جاتے تھے یہ لوگ اپنی افغان سرزمین) پختونخوا (سے وہاں جاکر آباد ہوئے تھے۔ پروفیسر رشید سے رخصت ہونے کے موقع پر موصوف نے اپنی ایک تازہ مطبوعہ کتاب بطور یادگار مجھے عنایت فرمائی۔ اس پر موصوف کے زیر دستخط جو تاریخ لکھی ہے یہ 1956 جنوری 11 ہے یہی کتاب 2012 کے اکتوبر کے مہینے تک پورے ستاون 57سال میری ذاتی دارالمطالعہ کی کتب میں میری نظر سے اوجھل رہا۔ اور اسے دیکھنے پڑھنے کا موقع کبھی ہاتھ نہیں آیا تھا۔ مگر اب اس قدر طول طویل عرصہ گذر جانے کے بعد اب اس کو ایک نظر دیکھنے کا موقع ملا۔ اس نے مجھے ان ایام کی کئی ایک خوشگوار بھولی بسری یادیں ایک بار پھر کچھ یوں یاد دلائیں کہ یہ مصداق پشتو زبان کے ایک مشہور ٹپہ کے کہ :

یو ځلې بیا په دې لار راشه

په پخوانو پلونو دې پریواتۀ ګردونه

"اس راہ پر ایک بار پھر سے کبھی گذر کر آجاو تمہارے پرانے نقش پا کب کے گرد آلود ہو چکے ہیں" جو نہی میں کتاب کی متن کو پڑھ چکا اور اپنی پختونخوا کی سرزمین کی اس نامدار یوسفزئی قبیلہ کے ایک جلیل القدر نامی گرامی سپوت کی تاریخ ساز زندگی اور اس کے بے بدل کارناموں اور مثالی شخصی کردار جو کہ اس مخدوش دور میں موصوف نے اپنی ذاتی فہم و ذکاء کے طفیل ادا کیا تھا کا اندازہ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ تو مجھے یقین ہو گیا روہیلوں کے روہستان (پختونخوا) اور افغانستان کے یہ نامور جیالے سپوت کس قدر بے پناہ صلاحیتوں کے مالک ہیں بقول اقبال ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی۔ یہی نامدار اور نام آور شخصیت جو کہ شمالی ہندوستان کی تاریخ کے ان نامی گرامی روہیلہ افغانوں کے آکاش کا ایک درخشندہ ستارہ ہے اور جو اس دور کے ان اکابرین نواب حافظ رحمت خان شہید روہیلہ ' نواب غلام قادر خان روہیلہ ' جنرل بخت خان ' نواب احمد خان بنگش ' نواب دوندے خان ' نواب امیر خان بونیری اور نواب علی محمد خان وغیرہ کی طرح نجیب خان موصوف ایک آزمودہ کار جرنیل ' بے بدل سیاستکار اور مثالی مہتمم مدارلمہام اور اعلی پایہ کے منتظم شخصیت کے مالک تھے۔

نجیب خان عمر خیل احمد شاہ ابدالی درران کے پانی پت کے تاریخی معرکہ کے نامی گرامی جرنیل تھے۔ مرہٹوں کے خلاف کئی ایک معرکوں میں بذات خود مسلسل ان سے نبرد آزما رہے۔ احمد شاہ ابدالی دُرران کو اس پر فخر تھا اور کئی بار اسے خلعت فاہرہ

سے نوازا تھا اس نے اسے دہلی میں اپنا وائس رائے اور بخشی بنا دیا تھا۔ اس مخدوش دور میں جب دہلی کا مغلیہ دربار بے شمار خطرات کے نرغے میں تھا۔ مرہٹوں' جاٹوں اور سکھوں نے اس کا ناطقہ تنگ کر رکھا تھا یہی اولوالعزم شخصیت تن تنہا ان سب کے مقابلے میں ڈٹا رہا۔ اور اپنی جنگی حکمت عملی اور کارناموں کے طفیل اس نے خود کو اس دور کے ہندوستان کی جنگی تاریخ میں امر کر دیا۔

نجیب خان دہلی میں مسلمانوں کو دوام بخشنے اور مغل شاہنشاہیت کو فعال اور اسے انحطاط و زوال کے دلدل سے نکال باہر کرنے کا متمنی رہا۔ وہ اس چراغ سحری کو بجھنے سے بچائے رکھنے کی کوشش میں عمر بھر کوشاں رہا۔

ضلع صوابی کے موضع مانیری کا یہ نوجوان عمر خیل یوسفزی قبیلے کا سپوت تھا۔ عالم شباب میں رزق و روزی کی تلاش میں اپنے گھر سے عازم ہندوستان ہوا۔ شمالی ہندوستان میں اس نے نجیب الدولہ کے عالی رتبہ نام سے شہرت پائی۔ اور اپنے وقت اور زمانے کی تاریخ کے نام آور مشاہیر میں اپنا نام رقم کیا۔

علیگڑھ یونیورسٹی کے پروفیسر شیخ عبدالرشید نے اس نامی گرامی روہیلہ افغان کی مختصر سرگذشت انگریزی زبان میں تحریر کی ہے اصل ماخذ ان کی اس کتاب کا اس زمانہ کے وقائع نگار نورالدین کی فارسی متن کی کتاب جو کہ موصوف نے اس زمانہ میں تحریر کی تھی جب کہ نجیب الدولہ بقید حیات تھے۔ کتاب کے اس فارسی روداد کا نام سرگذشت نجیب الدولہ تھا۔ نورالدین کا بیان ہے کہ یہ نہیں معلوم کہ نجیب کی ہندوستان میں آمد کیونکر ہوئی۔ وہ کب اس سرزمین میں وارد ہوئے۔ فقط اتنا معلوم ہے کہ وہ بحیثیت ایک

پیادہ سپاہی کے روہیکنڈ کے نواب علی محمد خان کی فوج میں بھرتی ہوئے۔ یہ سال 1743 کا زمانہ تھا۔ ایک سال بعد ترقی پا کر جمعدار بنادئے گئے۔ اس زمانہ میں اس کی کل تنخواہ مبلغ پانچ روپے ماہوار مقرر تھی۔ 1745 میں جب وہ اپنے آقا نواب کی ملازمت میں تھا اسے دہلی کی شاہی فوج کی معیت میں وہ بھی اپنے مالک کے فوج کے سربراہ نواب احمد خان بنگش کے خلاف جنگ میں محصور ہوا۔ اس زمانے میں اس کا عہدہ جمعدار کا تھا۔ اور اس کی حیثیت میں کوئی خاص تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی۔ موصوف کی پہلی بیوی کے انتقال کے بعد اس نے نواب دوندے خان روہیلہ کی دختر نیک اختر در بیگم سے شادی کرلی۔ نواب دوندے خان اور نواب حافظ رحمت خان بڑیچ کے اپس میں قریبی دوستانہ مراسم تھے۔ یہ دونوں روہیلکنڈ کے نامی گرامی شخصیات تھے۔ نجیب خان کو اگے بڑھنے کا موقع تب میسر آیا جب وہ نواب علی محمد خان کے ہمراہ سرہند چلا گیا۔ نواب مذکور کو اس وقت مغل شہنشا کی جانب سے سرہند کا گورنر بنایا گیا تھا۔

انگریز مؤرخ فورسٹر کے بیان کے مطابق وہاں سرہند میں نجیب خان کو ایک سرکش ہندو جاگیردار کو زیر کرنے اور کوٹ کپورہ کے ایک سکھ زمیندار سے دوستی کرنے کا موقع ملا۔

سرہند سے واپسی پر 1748 میں نواب دوندے خان نے اپنے داماد نجیب خان کو رہبار کی اپنی ریاست کے چودہ پرگنے عنایت کیئے۔ بلند ارادوں کا یہ عالی ہمت نوجوان اگرچہ بے حد محطاط رہا۔ اور مغل کارندوں اور ذمہ دار افسران سے کسی قسم کے تصادم سے خود کو دور رکھتا تھا اور آگے جا کر کماؤں کی لڑائی کے ہراول دستہ میں خدمت بھی

انجام دئے مگر وہ آہستہ آہستہ سہارنپور کے شاہی ملحقات پر قابض ہوتا گیا۔ کماؤں کے علاقہ میں روہیلکنڈ کے افغانوں نے مغل جرنیل صفدر جنگ کی یورش سے پناہ لی تھی۔ اس کے بعد سعد اللہ خان نے نجیب اللہ خان کو ایک ہزار فوج کا کماندار بنا دیا۔

آگے چل کر مغل سیاست میں دخل انداز ہونے اور مغلوں کی سلطنت میں آئے دن کی بد نظمی اور بے ضابطگی کو فروغ ملنے اور انحطاط کی راہ پر چل نکلنے کے نتیجے میں جب صفدر جنگ بنگش نواب احمد خان کا دشمن بن گیا اور ساتھ ہی ساتھ جاٹ راجا سے ملکر اس نے مغل شہنشاہ کو بھی دہلی میں محصور کیا۔

ان حالات کے پیش نظر مغل شہنشاہ اور صفدر جنگ دونوں حافظ رحمت اور دیگر روہیلہ سرداروں کی تعاون اور امداد کے خواستگار ہوگئے۔ اس دوران صفدر جنگ نے روہیلوں کو متنبہ کیا کہ وہ درمیان میں آنے سے گریز کریں اور خود بھی ان کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوا۔ حافظ رحمت خان نے نواب احمد خان بنگش اور صفدر جنگ میں سے کسی کا بھی ساتھ دینے سے معذرت ظاہر کی۔

اس سیاسی جوڑ توڑ کے عرصہ میں نجیب خان نے کسی قسم کی مداخلت نہیں کی تھی مگر اس نے بالآخر یہ ٹھان لی اور اپنے دل میں یہ فیصلہ کر بیٹھا کہ اس کی منزل کچھ اور ہے۔ یعنی اسے دہلی کے شہنشاہ وقت کی اعامت وامداد کرنی چاہئے تاکہ جس طرح بھی ہو سلطنت کی اس ڈوبتی نیا کو بچایا جاسکے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ نجیب خان نے خود کو مغلیہ سیاست کے عالی رتبہ مقامات تک رسائی حاصل کرنے اور اس میں آگے قدم بڑھانے کی

راہ لی۔ گو کہ موصوف کے اس فیصلہ سے اس کے بیشتر روہیلہ اکابرین ناخوش تھے۔ مگر اس نے اپنے اس فیصلہ پر کبھی بھی کسی قسم کی پشیمانی کا اظہار نہیں کیا۔

اس کے بعد نواب محمد علی خان کی فوج کا یہ سپاہی اور اپنے روہیلہ سرداروں کا یہ ملازم بالآخر شمالی ہندوستان کا سب سے عالی رتبہ سپہ سالار اور اپنے وقت کا اعلیٰ ترین مدبر سیاستکار اور مغلیہ سلطنت کا منتظم اور نامدار مدار المہام بن گیا۔

وقائع نگار نورالدین اس موقع کا بیان کچھ یوں کرتا ہے۔" گو کہ نجیب خان کا یہ فیصلہ روہیلہ سرداروں کی مرضی کے خلاف تھا۔ پھر بھی اس نے سیدھے دہلی کی راہ لی۔ حافظ رحمت خان کی غیر جانبداری کے اس فیصلہ سے کہ وہ جنگ میں کسی ایک فریق کی حمایت نہیں کریگا اس نے ایک نادر موقع گنوا دیا۔ اور وہ مغل دربار پر اپنا تصرف جمانے اور اس کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لینے سے قاصر رہا۔ اسی بنا پر ایک طرف اس نے روہیلہ افغانوں کے اتحاد کو ذک پہنچایا۔ اور دوسری طرف اپنے وقت کی دہلی کی سیاست میں عملی طور پر حصہ لینے سے بھی دور رہا۔

نجیب خان بالآخر شاہ جہان آباد جا پہنچا۔ یہ جون 1753 کی دوسری تاریخ تھی۔ مغل شہنشاہ نے اس کا پر تپاک خیر مقدم کیا۔ اور اسی موقع پر اسے پانچ ہزاری منصب سے سرفراز کیا۔ یہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ اس کے ہمراہ شہنشاہ نے اسے نجیب الدولہ کا خطاب بھی عنایت فرمایا۔ اس کے بعد نجیب خان اپنے نئے لقب نجیب الدولہ سے پہچانا جانے لگا۔ کچھ عرصہ گذرنے کے بعد اس کے پنج ہزاری منصب کو مزید بڑھا کر سات ہزاری رتبہ تک پہنچایا گیا۔ یہ مغلیہ شہنشاہیت کا اعلیٰ ترین منصب تھا۔ جو کہ صرف

شاہی خاندان کے شاہزادوں کے لئے مخصوص تھا۔ اس کے بعد نجیب شاہی دربار میں مغلیہ سلطنت کے عالی مرتبت شاہزادوں کا ہمسر بن گیا تھا۔

دہلی کے محاصرہ کے دوران نجیب الدولہ اپنے قبائلی لشکر کے ہمراہ اپنے پیش قبض ہتھیاروں کی مدد سے خندقوں میں زیر زمین راستہ نکالنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس لڑائی میں وہ خود بھی زخمی ہوا مگر پھر بھی وہ اپنے مورچہ پر ڈٹا رہا۔ پورے تین ماہ تک محاصرہ کی یہ جنگ جاری رہی۔ نجیب خان کی یہ تجویز تھی کی کہ وہ اپنے لشکر کے ہمراہ دشمن پر ایک بھرپور حملہ کرنے اور اس پر چڑھ دوڑنے کی اجازت حاصل کرے۔ یہ اس لئے کہ وہ مزید مدافعتی جنگ کرنے کے حق میں نہیں تھا۔ مگر مغل شہنشاہ اس قدر خوفزدہ ہو چکا تھا کہ اس نے اُسے ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی۔ مزید اس کے عساکر کو کچھ عرصے سے ان کا مشاہرہ بھی نہیں دیا گیا تھا۔ جس کی وجہ سے نجیب کی حمایتی لشکر میں بے اطمینانی پھیل رہی تھی۔

عماد الملک) وزیراعظم (بھی نجیب الدولہ سے متفق نہیں تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نجیب مزید جنگ سے بیزار ہو گیا اور اپنے آپ کو بارا پولہ کے مقام پر جنگ سے علیحدہ کر لیا۔

شاہی فوج کو کسی مزید پیشرفت کرنے کا کوئی موقع میسر نہیں آیا۔ اور مغل شہنشاہ بھی اس قدر خوفزدہ ہو گیا تھا کہ بہ امر مجبوری اس نے ایک بار پھر نجیب خان کو بھلا بھیجنے اور اسے جاگیر عطا کرنے کا وعدہ کیا۔ اسکے ساتھ اس کے لشکریوں کو ان کی تمام بقایاجات کی ادائیگی پر بھی اپنی رضامندی ظاہر کی۔ مگر نجیب خان جو اس بات کو

سمجھتا تھا کہ مغل شہنشاہ اپنے اس وعدے کا پاس نہیں رکھ سکے گا۔ اور نہ ہی اس میں اتنی سکت ہے کہ اپنے ان وعدوں پر عمل کر سکے اس لئے اس نے دوبارہ جنگ میں حصہ لینے سے معذرت ظاہر کی۔

شاہی عساکر اب تباہی اور بربادی کے دہانے پر کھڑی تھی۔ اس خطرے کے پیش نظر وہ بہ امر مجبوری مغل شہنشاہ نجیب خان کی امداد کا طلبگار تھا۔ اور ایک بار پھر کسی طریقے سے اسے بادشاہ کی اعانت کرنے پر آمادہ کیا گیا۔

یہی وہ موقع تھا کہ شاہی خزانے سے اِسے چار لاکھ روپے نقد اور ایک سوار کے لئے مبلغ بارہ آنے اور پیادہ کے لئے چار آنے روزانہ کے حساب سے دینے کا اہتمام کیا گیا۔ سولہ ستمبر 1753 کو مغل شہنشاہ نے نجیب الدولہ کو شرف باریابی بخشا اور اس موقع پر اسے چھ رختوں والی خلعت فاخرہ کے ساتھ ماہ مراتب کا خطاب بھی عنایت فرمایا۔

نجیب خان کے واپس آنے پر شاہی فوج کے حوصلے بڑھ گئے۔ اور وہ اس قابل ہوئی کہ دشمن کو پیچھے دکھیل دے۔ اس طرح امن ایک بار پھر قائم ہو گیا۔ صفدر جنگ سے نجیب الدولہ کو نگینہ منتقل ہو گیا اور سہارنپور کی فوجداری بھی اسے غازالدین خان سے دلوائی گئی۔ مزید براں اسے مراد آباد' شمس آباد اور بدایون بھی اس کے سسر کے لئے جاگیر میں مغل شہنشاہ کی جانب سے عطا ہوئے۔

جب نجیب الدولہ کا مقام اور حیثیت شاہی دربار میں پوری طرح مامون و مستحکم ہو گیا اس کے بعد وہ اپنے پرگنوں کی جانب لوٹ گیا۔ وہاں جا کر اس نے کوشش کی کہ اپنے لئے نواب سعد اللہ خان کی اعانت حاصل کر سکے اور یوں روہیلکنڈ کے روہیلہ افغانون کا راہنما بن جائے۔ اور اس طرح اپنی فکر و فہم، تدبر اور اپنی نیک نامی اور تخت دہلی کی اعانت اور اپنے مثالی کردار کی بناپر افغان روہیلوں کا مربی اور راہنما بن جائے اس بناپر حافظ رحمت خان جو اس زمانے میں روہیلکنڈ کا صاحب اختیار نواب اور راہنما تھا اس کے اختیارات چھن جانے اور ان سے اس کے محروم ہونے کا خطرہ اسے لاحق ہو گیا۔ نجیب خان اپنی اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکا اور وہ سعد اللہ خان اور حافظ رحمت خان کے مابین تفرقہ ڈالنے سے قاصر رہا۔ بالآخر وہ واپس دہلی جا پہنچا اور اس کے بعد 1754 میں اس نے سہارنپور کو مراجعت کی۔

جن دنوں وہ دارالحکومت سے باہر تھا اس دوران وزیر عمادالملک نے مغل شہنشاہ بہادر شاہ کو تخت شاہی محروم کیا اس کو اندھا کرا دیا اس کے بعد اس کی جگہ اس نے عالمگیر ثانی کو تخت پر بٹھا دیا۔ مگر اس کے اس کئے نے عماد الملک کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچایا۔ بادشاہ نے ایک بار پھر نجیب الدولہ کو اپنے پاس بلایا 5 اپریل 1755 کو نجیب الدولہ واپس دہلی پہنچا اور اگلے روز دربار میں حاضر ہوا۔ اس کے بعد عماد الملک قطب شاہ سے نبرد آزمائی کے لئے پانی پت کی طرف روانہ ہوا۔ ان دنوں قطب شاہ نے سرہند پر قبضہ جمایا تھا۔ پانی پت میں اس کے رہ جانے کے آیام میں عماد کے سنداغ عسا کرنے اس کے خلاف بغاوت کر دی اور اسے اپنے نرغے میں لے لیا اور اس کی سبکی کی مگر حسن بیگ کی اعانت و امداد سے اس کی جان بچی۔ اس کے بعد جب عماد الملک واپس

دہلی جا پہنچا تو اس نے نجیب الدولہ اور شکر مل کو حکم دیا کہ ان باغیوں کی سر کوبی کرے۔ اس طرح سنداغ عساکر کے برخاست کرنے اور ان کی بربادی کی وجہ سے عماد الدولہ اب اپنے محافظ دستوں کے رحم و کرم پر تنہا رہ گیا۔ اور اس کے نتیجہ میں جیسا کہ اس وقت کا ایک وقائع نگار لکھتا ہے۔ نجیب میں تفاخر اور تکبر کے آثار عود کر آئے۔

عماد الملک وزیر کی واپسی پر نجیب کے مراتب میں مزید اضافہ کر دیا گیا۔ مگر اس کے ساتھ اپنے بارے میں عماد نجیب سے بھی خائف ہونے لگا۔ اور نجیب بھی کچھ اس قسم کے مخمسے میں پڑ گیا کہ بادشاہ اور وزیر دونوں کا رویہ اب اس کے بارے میں تبدیل ہو رہا ہے۔ اس کے بعد عماد الملک اچانک پنجاب کے معاملات میں پھنس گیا۔ اس نے نجیب الدولہ کو اپنے پاس بلایا 16 نومبر 1755 کو ان کی ملاقات سمبلی کے مقام پر ہوئی۔ چونکہ ملاقات خوشگوار ماحول میں نہیں ہوئی اس لئے اس کا کوئی خاص نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ اختلاف کی وجہ یہ رہی کہ نجیب کے سپاہی جو وہ اپنے ہمراہ لے گیا تھا ان کو ان کا مشاہرہ ادا کرنے سے وزیر عماد الملک نے انکار کیا تھا۔ اس کے بعد نجیب واپس سہارنپور چلا گیا یہ دسمبر 1755 کی تیسویں تاریخ تھی۔

مزید یہ کہ احمد شاہ ابدالی در دران بھی عماد الدولہ سے ناراض تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ایک تو وہ خود لاہور پر قابض ہو گیا تھا اور اس کے ساتھ اس نے نواب معین الملک کی بیوہ جسے ابدالی نے اپنی بیٹی کہا تھا کی بے عزتی کی تھی۔ اس بہانے ابدالی کو پنجاب پر حملہ کرنے کا موقع میسر آیا تھا۔

احمد شاہ ابدالی نے 20 نومبر 1756 میں اٹک کو عبور کیا۔ اور دس جنوری 1757 کو ستلج پہنچا۔ اس پر وزیر عماد الملک کو خطرہ دامنگیر ہوا۔ اسی لئے اس نے بات چیت کی راہ اختیار کر لی۔ مقصد یہ تھا کہ کسی طرح اس حملے کی تدارک ہو سکے اور احمد شاہ واپس اپنے وطن چلا جائے۔ بادشاہ اس شرط پر واپس چلے جانے پر تیار ہوا کہ اسے نقد دو کروڑ روپیہ بطور تاوان دیا جائے۔ اس کے ساتھ شاہی خزانہ ہیں موجود تمام جواہرات بھی اس کے حوالے کئے جائیں علاوہ ازیں دہلی کے مغل شہنشاہ کی بیٹی بھی اس کے عقد میں دی جائے اور سر ہند تک کا تمام علاقہ بھی اس کی عملداری میں شامل کیا جائے۔

وزیر عمادالملک کے پاس نہ تو اتنے ذرائع وسائل تھے اور نہ ہی وہ ان شرائط کو پورا کرنے کا کسی صورت میں بھی اہل تھا۔ اس لئے اس نے مجبور ہو کر نجیب الدولہ اور راجا سورت مل کی سماجت کر کے ان کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی۔ مگر اس کو اپنی اس کوشش میں بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ ابدالی کی فوجی طاقت کی خوف سے اور اس کے مقابلے میں اپنی کمزوری کو دیکھتے ہوئے اس میں حملہ آور فوج کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں تھی۔ خود نجیب الدولہ جو کہ وزیر عمادالملک کی سخت گیری اور اس کی کمزور پالیسی سے نالاں تھا وہ بذات خود احمد شاہ کا حلیف بن گیا تھا۔ اور مورخہ 20 جنوری 1756 کو احمد شاہ ابدالی کی حضور میں باریاب ہوا تھا۔ بادشاہ نے اس موقع پر اُسے اپنی طرف سے ایک نادری کلاہ اور کمر بند کے ہمراہ جائگاہ سے بھی مشرف کیا۔ اور دہلی میں اپنے نائب اور نمائندہ کی حیثیت سے واپس بھیج دیا۔

نجیب الدولہ دہلی واپس لوٹ آیا اور وہاں پر بادشاہ کی آمد کی تیاری کرنے لگا اور شاہی قلعہ کے اندر اس کے قیام کے تمام انتظامات مکمل کئے۔ اسی صورت حال میں اب عمادالدولہ کے لئے اطاعت گذاری کے بغیر دوسرا راستہ موجود نہیں تھا۔ اس لئے وہ بہ امر مجبوری 18 جنوری 1756 کو ایسا کر گذرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ احمد شاہ درانی کے اگے اس کی اطاعت کا جو تذکرہ جیسے کہ تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے یہ خود عماد االملک وزیر کے اپنے بیان کے مطابق کچھ یوں رقمطراز ہے۔

"جب بادشاہ ابدالی دہلی کے قریب پہنچ گیا اور اس نے شاہ درہ میں قیام کیا تو میں نے نواب نجیب خان کو بلایا۔ اور اسے کہہ دیا کہ ضروری ہے کہ ایک بار بادشاہ کو آنکھ دکھادیں۔ اس نے جواب دیا کہ میرے لئے آج دو کروڑ کی رقم کا بندوبست کر دو تو میں لڑائی لڑنے میں تامل نہیں کروں گا۔ میں نے اسے کہا کہ تمہارا تو اور کچھ باقی نہیں رہا۔ اس کے عوض تمہیں آدھے سے بھی زیادہ علاقہ دیا جاچکا ہے۔ پھر یہ کہ ایک دن کی نوٹس پر اتنی بڑی رقم میں تمہارے لئے کیسے فراہم کروں؟ تمہارا اس قسم کا مطالبہ تو تمہاری وفاداری سے انحراف ظاہر کرتا ہے۔ وہ متواتر اس بات پر ڈٹا رہا۔ اور اصرار کرتا رہا۔

نجیب خان اور اس کے ہمراہیوں نے اس پر زبردست احتجاج کیا۔ میرے گھر کو تمام دن گھیرے میں رکھا۔ پھر یوں ہوا کہ اس نے خفیہ طور پر مجھے بتائے بغیر رسول خان کو اپنا ایجنٹ بنا دیا۔ اور احمد شا ابدالی کے پاس روانہ کیا۔ وہاں اس کو جہاں خان کی ما

تحتی میں لگا دیا۔ جہان خان احمد شاہ ابدالی کا میر عساکر تھا۔ اسی دن بادشاہ کا ایک مصلحت انگیز تحریر میرے نام آیا۔ اس میں نجیب خان کو حاضر ہونے کے لئے کہا گیا تھا۔

یہ آدھی رات کا وقت تھا جب نجیب خان دہلی سے نکلا اور اپنے لشکریوں کے ہمراہ بادشاہ ابدالی کے لشکر گاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں پر وہ جہان خان کی وساطت سے بادشاہ کے حضور میں باریاب ہوا اور اسے شاہی خلعت سے سرافراز کیا گیا۔ اور میں اس نتیجے پر پہنچ گیا۔ کہ سرزمین ہندوستان میں اب میرا مدافعت کا کوئی ہمراہی باقی نہیں رہا۔ میں اب تنہا ہو چکا ہوں۔ میرے لئے اب کوئی راستہ کھلا نہیں رہا تھا۔ اپنی بے عزتی اور بے پردگی کا خیال دامنگیر ہو گیا۔ مجھے اپنی موت میرے سامنے نظر آنے لگی۔ اس لئے بہ امر مجبوری میں نے یہ فیصلہ کیا کہ چاہے کچھ بھی پیش آئے مجھے اب بذات خود بادشاہ کے حضور حاضر ہونا ہے۔ اس طرح شب کے تین پہر گذر جانے پر میں چھپکے سے اپنے چار معتمد ساتھیوں کے ہمراہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر گھر سے روانہ ہوا۔ کسی کو بھی کان و کان خبر نہ ہوئی۔ ہم سورج نکلنے سے کچھ ہی پہلے۔ مدارالمہام جہان خان کے فرود گاہ تک جا پہنچے۔ وہاں پر میں اپنے گھوڑے سے اترا۔ وزیر اعظم نے بڑی تپاک سے میرا خیر مقدم کیا۔ مجھے گلے لگایا۔ پھر اس نے خبر دی کہ عماد الدولہ غازی الدین ہندوستان کا وزیر کبیر دارالحکومت سے تشریف لائے ہیں اور وہ تن تنہا اس کے فرود گاہ تک پہنچے ہیں اور اب میرے پاس قیام پذیر ہیں۔ وہ اس انتظار میں ہیں کہ اسے شاہ کیوان نشان کے حضور حاضر ہونے اور قدم بوسی کا شرف حاصل ہو جائے۔ حکم صادر ہوا کہ حاضر کیا جائے۔ وہاں حاضر ہو کر میں نے دیکھا کہ نجیب خان اور جہان خان ہر دو دیگر پانچ عدد سپہ سالاروں سمیت دست بستہ کھڑے ہیں۔ میں نے اگے بڑھ کر نذر کے طور

پر سونے کے پانچ عدد مہران اور ایک مرصع تعویز جس پر ایک بیش قیمت ہیرا جڑا ہوا تھا بادشاہ کو پیش کیا۔ بادشاہ نے دریافت کیا۔ کیا تم سچ مچھ غازی الدین ہو؟ میں نے عرض کیا' بے شک میں وہی ہوں مجرم اور سرکش ہوں اس نے دوبارہ سوال کیا۔ تم ہندوستان کے وزیر ہوتے ہوئے کیوں میرا مقابلہ کرنے نہیں نکلے؟ میں نے جواب دیا کہ ہندوستان کا امیر الامرا تو نجیب خان ہے۔ اور وہ یہاں شاہی تخت کے سامنے دست بستہ کھڑا ہے۔ میں نے مزید عرض کیا کہ ہمارے سامنے تو مہم ایک ہی تھا۔ مگر اس نے اس جانب کچھ بھی توجہ نہیں دی اور مجھے بتائے بغیر دارالحکومت دہلی سے نکل کر اور یہاں دربار شاہی میں شرف باریابی پائی۔ اس امیر کے ماسوا اور کون اس قدر برگزیدہ شخصیت تھی جو میرا ساتھ دیتا۔ ساری سلطنت میں یہی ایک شخصیت ہی تو ہے جو فوج کا سربراہ ہے۔ اس لئے میں مزید فوج کہاں سے لاتا جسے میدان جنگ میں اتارتا؟"

اس طرح عماد نے ایک اچھا تاثر قائم کیا۔ اور بادشاہ دیگر امراء سے شاکی ہو گیا۔ عمادالملک ایک بار پھر سرخ رو ہو گیا اور اپنی وزارت اسے دوبارہ سونپ دی گئی۔ باوجود یہ کہ خود مغل شہنشاہ عالمگیر ثانی بھی اس کے حق میں نہیں تھا۔ دہلی پر قبضہ جمانے کے بعد اسے بندورابند اور متھورا کو تاراج کرنا رہ گیا تھا۔ یہ لوگوں پر تشدد اور زیادتی کرنے کا ایک بے سروپا عمل تھا۔ اس میں خود نجیب الدولہ بھی شریک تھا۔ گو کہ اس مہم میں وہ بادل ناخواستہ شامل رہا اور اس نے بادشاہ کی نمائندگی کی۔ متھورا کے میر صاحب جو کہ نواب احمد خان بنگش کا نمائندہ تھا نے نجیب خان سے پوچھا کہ تمہارا روزینہ کس بات سے منسلک ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں مزید کچھ کرنے سے قاصر ہوں؟ جو شاہی حکم ہے۔ اس کی تعمیل کرنا میرا فرض ہے۔ میں اس کی حکم عدولی کسی صورت میں

بھی نہیں کر سکتا۔ میں تو اپنے بادشاہ کے حکم کا تابع ہوں۔ حکم عدولی کرنے سے میں ہر حال میں قاصر ہوں۔

بادشاہ نے اپنے وطن کو اپریل 1757 میں مراجعت کی۔ نجیب کو دہلی میں بطور بخشی تعنیات کیا۔اس کے ساتھ اسے دہلی میں اپنا مختار کار اور وائسرائے بنادیا۔اس طرح نجیب الدولہ اس مہم سے صحیح سلامت واپس آیا اوراس کی قدرت واقتدار میں مزید اضافہ ہوگیا۔

مغل شہنشاہ کی اس درخواست کے ہمراہ جب وزیر کبیر عماد الدولہ بادشاہ سے ملاقات کرنے چلا گیا اور اس بارے میں نجیب خان اور راجا نگر مل اور سورج مل کے در پردہ گذارش کے باوجود اس نے عماد الملک کو اپنے پرانے عہدہ پر برقرار رکھا۔اور نجیب الدولہ کو بھی امیر الامراء کے خطاب کے ہمراہ مغلیہ سلطنت کا بخشی بنادیا اور اسے دربار دہلی میں اپنا نائب مقرر کیا۔

بادشاہ کی وطن واپسی پر عماد ہندوستان کے مشرقی صوبوں کی طرف چلا گیا۔ اور نجیب دہلی میں رکا رہا۔اس نے اس موقع سے خوب فائدہ اٹھایا۔اور اپنے آپ کو مغلیہ دربار میں اور بھی مضبوط کر دیا۔اس نے دہلی کے قریب دوابہ کی سرزمین کے بہت سارے زرخیز اور پیداواری علاقے دسنا اور میرٹھ وغیرہ پرگنوں پر اپنا تصرف جمایا۔ تاریخ عماد الدولہ کے مصنف کے مطابق نجیب الدولہ نے مغل شہنشاہ کے سبھی اختیارات اپنے تحویل میں لے لئے اس کام میں عبدالاحد خان نے اس کا ہاتھ بٹایا تھا۔ اس طرح نجیب الدولہ مغلیہ سلطنت کے تمام انتظامی امور کا ذمہ دار ٹھہرا۔ عبدالاحد

خان دربار شاہی کا دیوان اعلیٰ تھا۔ وہ مغل شہنشاہ کو اس بات پر راضی کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ نجیب کو اپنے پاس بلائے اور اپنے تمام مملکتی اختیارات اس کے تحویل میں دے دے۔ اور اسے یہ ذمہ داری بخشے کہ شاہی احکام و فرامین کو موقع و محل کے مطابق اپنے پاس رکھے اور جاری کرے۔

عماد الدولہ کے خلاف اس سازش کا تذکرہ ماسوائے اس کے اپنے وقائع نگار کے تحریر کے اور کہیں نہیں ملتا۔ اس میں شک نہیں کہ عماد نجیب کو پسند نہیں تھا اور اس کی یہ خواہش تھی کہ اس کو نیچا دکھائے اور اس کی سبکی ہو۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ مغل شہنشاہ خود بھی اس کے تجاوزات ' بے ضابطگیوں اور بے قاعدگیوں سے نالاں تھا۔ اور اپنے وزیر پر اسے کسی قسم کا اعتماد اور بھروسہ نہیں رہا تھا۔ اس لئے تو اسے بھی بہانہ چاہیئے تھا۔ وہ اس کوشش میں تھا کہ کسی طرح وہ اس مار آستین وزیر سے گلو خلاصی پائے۔ اس بنا پر نجیب الدولہ اپنے نئے اختیارات کو پورے انہماک اور دلجمعی کے ساتھ نباہنے لگا۔ اس نے ان تمام شاہی عہدہ داروں کو جن کے مشاہرے اور تنخواہیں ایک عرصہ سے بند تھے سب کو فرداً فرداً ان کا حق ادا کیا۔ اور ان کی دلجوئی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اس کے بعد پوری باقاعدگی سے ان کا حق ان کو دیا جانے لگا۔ شاہی خانوادے کے افراد جن کو ان کے روزینہ سے محروم رکھا گیا تھا ان کو بھی ان کا مقرر شدہ مواجب باقاعدگی سے ملنے لگا۔

مشرقی صوبوں کی جانب عماد الملک کی مہم نواب احمد خان بنگش کی چشم پوشی اور اغماز کی وجہ سے ہوئی تھی۔ وہ خود بے بساط اور قلاش ہو گیا تھا۔ بادشاہ کی اعانت بھی

اس کے کام نہ آسکی۔ باوجود یہ کہ روہیلے ان دنوں آپس میں کبیدہ خاطر تھے۔ مگر پھر بھی وہ عماد کا اس مہم جوئی کے شاکی تھے جو کہ اس نے شجاع الدولہ کے خلاف چلایا عین اسی زمانے میں جاٹ راجا نے آگرہ پر قبضہ کیا۔ اور مرہٹوں نے بھی جنوب کی جانب سے پیشقدمی شرو کی۔ اب عمادالملک دوابہ پر چڑھ دوڑنے پر پشیمان تھا۔ اس نے شجاع کا راستہ روکنے کا خیال ترک کر دیا اور دیگر معاملات کو نبٹانے کے لئے دارالخلافہ کی طرف لوٹ گیا۔

اسی دوران مرہٹے راجپوتانہ میں لوٹ مار کرتے رہے۔ اور اب ابدالی کا متھورا کو تاراج کرنے پر ان کے اگے راستہ صاف تھا۔ اس لئے اب وہ جولائی 1757 کے ایام میں اور اگے شمال کی طرف پیش قدمی کرنے لگے۔ اور نجیب الدولہ کو ہدف تجاوز بنانے لگے تھے۔

دہلی سے ایک مکتوب جو پیشوا کو تحریر کیا گیا تھا میں حالات کچھ یوں مذکور ہیں کہ ابدالی خود ایک بے اصول شخصیت ہے۔ اور اس کے ساتھ نجیب خان جو کہ ہندوستان میں اس کا نائب ہے۔ فساد کا اصل جڑ ہے۔ وہ یہ چاہتا ہے۔ کہ تمام روہیلہ افغانوں کو متحد کرے اور پورے ملک پر قبضہ جمائے۔ وہ ایک ملچ انسان ہے اور دیوتاؤں اور برہمنوں کا دشمن ہے۔

عمادالملک کے لئے اب نجیب اور مرہٹوں میں سے ایک کا ساتھ دینا تھا۔ اور بالاخر خود کو مرہٹوں کا طرفدار بنا دیا۔ وہ فرخ آباد سے جولائی کی چوتھی تاریخ کو روانہ ہوا اور شاہجہان آباد) دہلی (پہنچ گیا۔ مرہٹے ان دنوں کوئل پہنچ چکے تھے اور سکندرہ پر

چودہ جولائی کو قابض ہو گئے تھے۔ اس کے بعد وہ آگے دارالحکومت دہلی کی جانب پیش قدمی کر رہے تھے۔ خود عمادالملک بھی جولائی کی چوبیس تاریخ کو دہلی آ پہنچا۔

یہی وہ وقت تھا جب نجیب الدولہ چکی کے دو پاٹ میں پھنس گیا تھا۔ پھر بھی وہ اپنے بڑے لاؤ ولشکر اور بھرپور خزانہ اپنے ساتھ رکھنے کے باوجود جنگ کرنے سے پہلو تہی کرتا رہا۔ اس کی پر اسرار اور صحیح سیاسی بالغ نظری نے اسے اس اقدام کی فرسودگی سے روشناس کیا تھا۔ اس لئے صلح جوئی کی غرض سے مرہٹوں کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ مگر اس کی اس پر خلوص کوشش نے مرہٹوں کے سردار رگھوناتھ راؤ پر کچھ بھی اثر نہیں کیا۔ اور بڑی حقارت سے اس کی یہ پیش کش ٹھکرادی۔ باپو پنڈت جس کو مرہٹوں کی جانب سے بطور قاصد دہلی بھیجا گیا تھا۔ اس قاصد کو نجیب کے آگے زور دیکر یہ پیغام پہنچانے کو کہا گیا تھا۔ نجیب نے بھی اپنے صلاح کار افسروں کو بلایا اور ان کو بتادیا کہ میں نے صلح و آشتی سے کام لینا چاہا تھا۔ مگر وہ اس کے ماننے کو تیار نہیں ہوئے۔ اپنی ان باتوں پر اس نے ان کو طیش دلایا اور سب نے یک زبان ہو کر کہا۔ کہ ہمیں وہ اس قدر بے پت اور بے مروت سمجھتے ہیں کہ نواب وزیر اب صلح پر مجبور ہے۔ اس سے تو یہ بہتر ہے کہ میدان جنگ میں اپنے سروں کو قربان کر دیں بجائے اس کے کہ مزید دو روز ذلت و شرمندگی کے ساتھ زندہ رہیں۔

نجیب اب خالص مدافعتی جنگ پر راضی ہو گیا۔ اس لئے کہ یہ جنگ اب اسے بہ امر مجبوری لڑنا تھی۔ اس کے پاس پانچ ہزار افغان روہیلے فرید خان کے زیر کمان میرٹھ میں موجود تھے۔ اور مزید دس ہزار روہیلہ سپاہ اس کے اپنے پاس دہلی میں

تھے۔فرید خان کو نگر مل کے مرہٹوں کے دریائے جمنا کے پار موجود فوج پر حملہ کرنے کو کہا گیا تھا۔ مگر اس نے نجیب خان کو اس کی اطلاح دئے بغیر یہ اقدام کیا تھا۔ اور وہ خود بھی اس جنگ میں کام آیا اور اس کی فوج کو بھی شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

نجیب شہر سے باہر جانے اور کھلے میدان میں لڑائی لڑنے کے حق میں نہیں تھا۔ اس لئے اس نے خود کو دارالحکومت دہلی میں محصور کیا اور آئیندہ پیش آنے والے واقعات کا انتظار کرنے لگا۔ اس نے ایک بار پھر کوشش کی کہ مرہٹوں کے ساتھ صلح کی جائے۔ مگراسکے وہ ساتھی جو ظاہری طور پر مغل شہنشاہ کے طرفدار تھے وہ اس بات پر زور دے رہے تھے کہ نجیب کو برخاست کیا جائے اور اس کے لوگ بھی شہر بدر کئے جائیں۔ مگر نجیب اس بات کے ماننے کو تیار نہیں تھا۔ مرہٹوں نے پرانے قلعہ پر یورش کی اور قلعہ دار کو قتل کیا اور وہاں پر لوٹ مار بھی کی۔ قلعہ کوٹلہ فیروز شاہ کی افواج نے بھی مرہٹوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ یہ اگست 1757 کی بارویں تاریخ تھی کہ مرہٹے ہر دو قلعوں پر قابض ہوگئے۔ یہ دونوں قلعے دارالحکومت میں داخل ہونے کے راستہ میں تھے۔ اب دشمن نے شہر کو قریب سے محصور کیا۔ نجیب کے بہت سارے ساتھیوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ خود مغل شہنشاہ بھی جو پہلے سے خوفزدہ تھا اب دلبرداشتہ ہو چکا تھا اور اس نے بھی پوشیدہ طور سے محاصرہ کرنے والوں سے بات چیت شروع کر رکھی تھی۔ اس طرح نجیب کو دھوکہ دیا جا رہا تھا۔ اس لئے وہ صلح کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ پھر بھی وہ اپنے بخشی کے منصب سے دستبردار ہونے کے لئے ہرگز تیار نہیں تھا۔ وہ اُس پر تو راضی تھا کہ اس بھاری تاوان جنگ کو ادا کرے جس کا دشمن نے تقاضا کیا تھا۔ عبدالاحد خان اور سنگھ راج نے اس کی بے حد منت سماجت کی کہ وہ صلح

کرنے پر آمادہ ہو جائے مگر مرہٹوں اور عماد الدولہ یہ ماننے کو تیار نہیں تھے۔ وہ اس بات پر بضد رہے۔ ملہار راؤ کو نجیب کی گذارش بھی بے فائدہ ثابت ہوئی۔ اگرچہ اس نے ملہار راؤ کے سامنے یہ شرائط رکھے تھے۔ کہ

میں جیسے اب کا عبیرہ ہوں ہر کام میں آپ کی مرضی سے کروں گا۔ میں اپنا ہار مانتا ہوں۔ اگر تم اپنی تلوار پھر سے مجھ پر اٹھانے کا ارادہ رکھتے ہو تو یہ تمہاری زیادتی ہو گی۔ اگر تم مجھے حکم دو گے تو میں جمنا کے اس پار چلا جاوں گا۔ اس کے بعد آپ کی مرضی جس کو آپ چاہیں دہلی اور اس کے آس پاس کار مختارِ کار بنا سکتے ہیں۔ اگر آپ مجھے یہ حکم دیں کہ میں احمد شاہ بادشاہ کے سامنے حاضر ہو جاؤں اور آپ دونوں کے درمیان مناقشت دور کر دوں تو ممکن ہے کہ میں بادشاہ کو اس کے اپنے حد تک محدود کرنے پر آمادہ کر سکوں۔

اور تم کو باقی سارے ہندوستان کا اختیار مل جائے اور یوں مزید کوئی تنازعہ باقی نہ رہے۔ میرا فرزند ضابطہ خان بھی اپنے پانچ یا سات ہزار لشکریوں کے ہمراہ آپ کے پاس ہو گا اور مجھ پر بھی آپ کا مزید کوئی شک نہیں رہیگا۔ اگر تم اس پر آمادہ نہ ہو کہ میرا یہ پیش کش قبول کر لو اور اس بات پر مصر ہو کہ نوبت لڑائی اور جنگ تک پہنچے تو دریائے گنگا کے اس پار روہیلوں کی مدد سے جہاں تک مجھ سے ہو سکے تم سے نبرد آزما رہوں گا۔ اور نتیجہ اپنے مالک حقیقی اللہ تعالیٰ پر چھوڑوں گا۔

باالآخر نجیب خان کو اس بات پر مجبور کیا گیا اور کہ وہ خود جا کر ملہار سے ملاقات کرے۔ اور اس نے جواب میں جو کچھ کہا وہ کچھ یوں ہے۔" میں تو ایک سرفرش

جانباز سپاہی ہوں۔ موت سے ہر گز نہیں ڈرتا۔ کوئی جانباز موت سے نہیں ڈرتا۔ میں محض عزت و ناموس کے ساتھ زندہ رہنا پسند کروں گا۔ لیکن اگر شہنشاہ معظم اور دیگر امراء کو یہ بات زیب دیتی ہے۔ کہ اس دوسری بات پر میں عمل کروں تو میرے پاس وہاں چل کر جانے کسے بغیر اور کوئی چارہ نہیں ہوگا"۔

سال 1757 کے ستمبر کی دوسری تاریخ پر نجیب ملہار سے مل آیا۔ اور اس کے ذریعے سے بالاخر صلح بھی ہو چکی۔ پھر وہ اپنے لشکر گاہ میں واپس چلا آیا۔ ستمبر کی ساتویں تاریخ کو قلعہ خالی کرایا گیا اور اسے اپنی جاگیر پر چلے جانے کی اجازت مل گئی۔ وہ تیرہ ستمبر کو روانہ ہوا۔ یوں دہلی ایک بار پھر عماد کی تصرف میں آگیا مگر اصل اختیارات مرہٹوں کے پاس رہے۔ مغل شہنشاہ کی دستبر داری اور نجیب خان کی برطرفی سے مغلیہ حکومت کو تیرہ لاکھ روپیہ مرہٹوں کو بطور سالانہ خراج دینا پڑے۔

گو کہ نجیب اا لدولہ سیاسی اور عسکری ناکامی سے دوچار تو ضرور ہوا مگر اس کا اخلاقی طور پر کامیاب رہنا بلاشبہ ہر لحاظ سے تحسین و آفرین کے لائق ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی صورت بھی وہ ایسی شرمندگی کی صلح کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ ملہار کے ساتھ اس کی شناسائی ہوئی جو بعد میں چند ایک اور مواقع پر اس کے لئے سود مند ثابت ہو گئی۔

نجیب اپنی جاگیر کی جانب لوٹ گیا اور اپنی فوج کو دوبارہ منظّم کرنے میں مصروف ہو گیا۔ وہ اپنا خزانہ بٹورنے اور اسے جمع کرنے میں مشغول ہو گیا' خودسر اور شر پسند رگھو ناتھ کی یہ خواہش تھی کہ نجیب خان پر حملہ آور ہو جائے اور اس کا خاتمہ کر

دے۔ جسے وہ اس حال میں بھی سچ مچ ایک خطرناک اور مرہٹوں کے اگے شمالی ہندوستان میں پیش قدمی کے راہ میں سب سے بڑا مزاحم سمجھتا تھا۔

دہلی سے واپسی پر ملہار راؤ اور رگھوناتھ دونوں نے آس پاس کے اضلاع میں خوب لوٹ مار کی اور اپنے راستے میں ہر قریہ و قصبہ پر بھتہ اور تاوان ٹھونس دیا۔ وہ سہارنپور ضلع میں ہر طرف پھیل گئے جہاں بھی جاتے لوٹ مار کا بازار گرم کرتے۔ رگھوناتھ نے جب دریائے گنگا کے اس پار دوآبہ کے لوگوں سے پندرہ لاکھ کی خطیر رقم بٹورلی اس کے بعد وہ ملہار راو سے جاملا۔ اس خطرے کے پیش نظر نجیب نے بالاخر مجبور ہو کر احمد شاہ ابدالی کو امداد کے لئے پکارا۔ اس نے روہیلکنڈ کے تمام سرداروں اور افغان امراء کو بھی مجتمع ہونے کے لئے ان سے اپیل کی کہ ان کی امداد و اعانت سے خود کو مامون و محفوظ کر سکے اور ان پر واضح کر دیا کہ اگر مرہٹے مجھ کو دوابہ سے نکال باہر کرنے میں کامیاب ہو گئے تو پھر نہ آپ کی خیر ہو گی اور نہ ہی عماد الملک خود کو بچا سکے گا۔ حالات کے اس موازنہ میں وہ کس قدر حق بہ جانب تھا۔ یہ سب کچھ اس کے بعد وقوع پذیر ہونے والے واقعات پر ثابت ہو گیا۔ روہیلہ سرداروں نے نواب حافظ رحمت خان بڑیچ کی ایما پر بات ٹال دی۔ اور وہ اکیلے نجیب کو اس خطرے سے نبٹنے کے لئے چھوڑ گئے۔ ان ایام میں احمد شاہ ابدالی اپنے مقامی مسائل میں الجھا ہوا تھا۔ اور اس کے باوجود کہ نجیب کی امداد و اعانت کا وعدہ کر چکا تھا پھر بھی وہ فوری طور پر اس کی دستگیری نہ کر سکا۔

مجبوراً نجیب کو اپنے ذرائع اور وسائل پر انحصار کرنا پڑا اور اپنی دانست اور فکرِ رسا سے ضروری مدافعتی پیش بندیاں کرنے لگا اور دشمن کی راہ میں ڈٹ گیا۔ وہ مجبوراً ملہار راؤ کو راضی کرنے کی کوشش میں لگ گیا۔

مرہٹوں نے اب یہ فیصلہ کیا کہ سہارنپور کو چھوڑ کر پنجاب کا رخ کیا جائے انہوں نے عماد الدولہ کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے بھی کہا۔ مگر اس نے اس مناقشہ میں حصہ لینے سے معذرت چاہی۔ اس مختصر سے وقفہ کو غنیمت جان کر نجیب نے اپنی تازہ دم فوج تیار کر لی۔ اور سہارنپور میں کندہالہ اور براوت پر قابض ہو گیا۔ اس نے وہاں سے وزیر عماد الدولہ کے عمال اور کارندوں کو نکال باہر کیا اور ان کی جگہ اپنے افسر اور عامل مقرر کر ڈالے۔ اس کے بعد اس نے کیدانہ ' شاملی ' جھجھر ' سکندرہ اور اس طرح دو مہینے کے اندر اندر تمام دوابہ پر قبضہ جما لیا۔ عماد کے پاس اس وقت نہ تو اپنے کچھ ذرائع وسائل تھے اور نہ اس میں اتنی ہمت تھی کہ نجیب کا سامنا کر سکے۔ سب لوگ وزیر عماد کے مخالف اور دشمن تھے۔ اب وہ محض سوامی کا دست نگر تھا اور اگر سوامی بھی اسکا ساتھ نہ دیتا تو اس کو اپنی جان کے لالے پڑ جاتے۔ اور کب کے کوئی اسے مار چکا ہوتا۔

جون 1758 میں مرہٹوں نے واپس دکن کی راہ لی۔ اس کے بعد چھ ماہ تک شمالی ہندوستان میں سکون رہا۔ پھر دسمبر 1758 میں داتا جی سندوھیا کو شمالی ہندوستان کی طرف بھیجا گیا اور ایک بار پھر دہلی میں اور نجیب پر سہارنپور میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ نجیب کی قسمت اچھی تھی کہ داتا جی اور ملہار راؤ ہر دو کے اقدامات یکسان نہیں تھے۔ داتا جی ایک اجھڈ گنوار قم کی طبعیت کا مالک تھا۔ وہ ایک عصیلا اور خود سر آدمی تھا۔

اس کے بر عکس ملہار سنجیدہ ٗ زیرک اور دور اندیش تھا۔اس کے ساتھ یہ بھی ہوا کہ ملہار اس بات پر ناراض تھا کہ داتا جی کو اس پر فوقیت دی گئی تھی۔ باوجود اس کے کہ اس سے قبل شمالی ہندوستان میں اس نے عسکری اور سیاسی مہمات میں کئی سود مند کارنامے سر کیئے تھے۔

دسمبر 1758 میں داتا جی سندھیا شمال کی جانب بھیج دیا گیا۔اور اس کے بعد آئندہ تین ماہ تک عماد پر دباو ڈالنے کے بعد پنجاب کی طرف بڑھا۔

مئی کے مہینے ہیں داتا جی واپس چلا گیا۔ عماد کے ساتھ اس کی نہیں بنتی تھی۔ اسکا سبب عماد کا دوغلا پن تھا۔اس کی پالیسی کچھ ایسی تھی کہ داتا جی اس سے خائف رہا۔ مگر اسے نجیب سے بھی بیر تھی اور اس سے اسے خوف دامنگیر رہا۔ اس کی اہلیت ٗ دانشمندی اور طاقت کا بھی اسے اندازہ تھا۔ پھر نجیب کا یہ عندیہ کہ اگر اسے اپنے بخشی کے عہدے پر دوبارہ بحال کیا جائے تو وہ مبلغ تیس لاکھ کی ادائیگی کرنے پر بھی آمادہ ہے۔ مگر ان کو یہ قبول نہیں تھا۔ پیشوا کا یہ خیال تھا کہ یہ تو ایسا ہوگا اگر کوئی نجیب کو دوبارہ دہلی میں لے آئے اور وہاں پر احمد شاہ ابدالی کا اگلا مورچہ بنا ڈالے۔اس نے یہ بھی کہا تھا کہ نجیب کے لئے راستہ کھولنا ایسے ہوگا جیسے کوئی کالے ناگ کو دودھ پلائے۔اس نے داتا جی کو لکھا کہ جب بھی موقع ملے تو بہتر یہ ہوگا کہ نجیب کا سر کچلا جائے۔

داتا جی خود بھی یہی کچھ سمجھتا تھا۔ کہ عماد الدولہ بجائے ان کے لئے سود مند ہونے کے ان پر ایک بوجھ ہے اس لئے اس کے ساتھ نباھنے میں ان کا فائدہ ہے مزید یہ کہ یہ نجیب کے ساتھ بھی مذاق کرنے کے مترادف ہوگا۔اس نے عماد الدولہ کہ کہلا

بھیجا کہ اپنے اختیارات اسی کے حوالہ کر دے۔ مگر اس پر وہ راضی نہیں ہوا اور صاف انکار کر دیا۔ پھر یہ کہ نجیب کی گرفتار کرنے کے لئے دام بچھائے مگر اس پر بھی جب بات نہیں بنی تو اسے ایک بھاری جرمانہ ادا کرنے پر مجبور کرنے لگے۔ نجیب نے اسے دینے سے انکار کیا۔ اور مرہٹوں کے قاصد کو تضحیک اور سبکی سے دو ٹوک انداز میں یہ کہہ کر واپس بھیج دیا کہ سرفروش سپاہیوں کے پاس دولت نہیں ہوتی۔ ان کے ہاتھ میں تلوار اور سپر ہوتے ہیں اور اسی سے لڑتے ہیں وہ تلوار کے دھنی ہوتے ہیں صرف لڑنا جانتے ہیں اور بس۔

جونہی نجیب الدولہ کسی باعزت صلح سے ناامید ہو گیا تو واپس سکرتال چلا گیا۔ اور وہاں پر مورچہ بند ہو گیا۔ اور اپنے دل میں یہ ٹھان لی کہ خود کو محصور کر دے۔ اس طرح بات ستمبر کے مہینے سے طول پکڑ کر نومبر 1759 تک جا پہنچی۔

وقائع نگار نورالدین نے سکرتال کے محاصرہ کی لمبی تفصیل بیان کی ہے اس کا مفصل ذکر کرنا یہاں برمحل معلوم نہیں ہوتا۔ پھر بھی یہ نجیب الدولہ کی جوانمردی' ہمت اور اولوالعزمی کا بین ثبوت ہے۔ اس کی پامردی' مدافعتی خود بینی اور فکر رسا اپنے وقت کے ایک تجربہ کار سپہ سالار ہونے کے ناطے مسلم ہے۔ وہ ایک موقع شناس اور دلاور انسان تھا اور اپنے مقدر پر اسکا غیر متزلزل یقین اور اعتماد تھا۔ بس یہی کچھ سکرتال کے محاصرے کا خلاصہ تھا۔ نہ تو وہ مرہٹوں کی زور اور طاقت سے گھبرایا اور نہ اس کی کچھ پروا کی وہ موت سے خائف نہیں تھا۔ نہ تو اسے اس کی کچھ پروا تھی کہ بھوک اور قحط سے اس کا سامنا ہو گا۔ اور نہ اس کو اس کی فکر دامن گیر تھی کہ اس کے گھر بار اور اہل و عیال

کو کیا گزند پہنچے گا۔ یہ نڈر پٹھان اپنی پشتو پر قائم رہا۔ باوجود یہ کہ اس کے اپنے قریبی رشتہ دار بھی اس سے برگشتہ ہو چکے تھے۔ اور اسے ایک ایسا جنونی کہا کرتے تھے جو خود کو عملاً شیر کے منہ میں ڈالنا چاہتا تھا۔

حافظ رحمت خان اور اس کے ساتھیوں کے فوجی دستوں کی قراولی اس وقت گشت پر نکلی جب مرہٹوں کی فوجی یلغار دریائے گنگا عبور کر چکی' ان عساکر کو بھی منہ کی کھانی پڑی اور اسلحہ اور بارود کا بہت نقصان اٹھا کر کماؤں کے پہاڑوں میں جا چھپے۔

گلستان رحمت کے مؤلف نے حافظ رحمت خان کی اس بات پر بہت ستائش کی ہے کہ اس نے نجیب کے لئے حالات سازگار بنادیئے اور برقت اس کی امداد کی۔ مگر یہ بات اس وقت کے کسی دوسرے وقائع نگار یا مورخ نے نہیں کی ہے۔ نہ ہی اسکا کوئی تذکیرہ مرہٹوں کی کس دستاویز میں کہیں موجود ہے۔ فقط اس قدر ہے کہ حافظ رحمت خان کی اس تاخیری امداد سے نجیب خان پر مرہٹوں کا زور قدرے کم ہو گیا اور ان کی توجہ دوسری طرف موڑ دی گئی۔

اس کے مقابلہ میں شجاع الدولہ کچھ زیادہ اس کی امداد کے لئے آیا تھا۔ اور نجیب کا ساتھ دیا تھا۔ نجیب نے نواب کی اس کے ساتھ یہ اعانت آخری دم تک نہیں بھلایا۔ مرہٹے ایک عرصہ سے اس سے کاشی) بنارس (اور الہ باد کا ان کے حوالہ کرنے پر اصرار کرتے رہے۔ اور وہ جانتا تھا کہ ایک نجیب ایسی شخصیت ہے کہ ان کی راہ کا روڑہ بن سکتا ہے۔ اور مرہٹوں کے یلغار کو روک سکتا ہے۔ عجب نہیں کہ اس کے بعد اس کی باری ہو۔ اور تلوار کے زور سے اس کو اطاعت کرنے پر مجبور کر دیں اس لئے وہ اپنی

پوری قوت کے ساتھ نجیب کی امداد کے لئے اگے بڑھا اور مرہٹوں کو ایسی شکست فاش سے دوچار کیا کہ سارا جھگڑا ہی ختم کر دیا۔

اس شکست کے فوراً بعد مرہٹوں کو پتہ چلا کہ ان کی شومئی قسمت سے احمد شاہ ابدالی ہندوستان کی جانب آرہا ہے۔اور اس کے ساتھ سابا جی کے جو کہ پنجاب میں مرہٹوں کا گورنر تھا بھاگ کر چلے آنے کی اطلاع بھی ان تک پہنچی۔ اور ان کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ کس بری حال میں اپنی جان بچا کر چلاآیا ہے۔ وہ داتا جی کے کیمپ میں مورخہ دس نومبر 1759 کو پہنچا تھا۔ اسی عرصہ میں صلح کی گفتگو کا بھی آغاز ہو چلا تھا۔ لیکن داتا جی کو اچانک پنجاب کی طرف کوچ کرنا پڑا۔ اس خیال سے کہ وہ احمد شاہ کو آگے بڑھنے سے روک سکے گا۔ اس لئے نہ تو وہ نجیب کو زیر کر سکا اور نہ ہی کوئی لوظ نامہ طے پایا۔ اپنی اس بڑی غلطی سے اس نے دیگر روہیلوں کو نواب شجاع الدولہ کے ہمراہ نجیب کو موقع فراہم کیا کہ سب کو اکٹھا کر کے ابدالی کا ساتھ دیں اور مرہٹوں کا مقابلہ کریں۔ ایک مہینہ گذر جانے پر سکرتال کا محاصرہ اٹھا لیا گیا اور مرہٹوں کی نجیب کے خلاف یہ کوشش بے سود رہی۔

احمد شاہ ابدالی اکتوبر 1757 میں ہندوستان پہنچا۔ داتا جی نے کانجپورہ کے گھاٹ پر اسی سال دسمبر کی اٹھارہ تاریخ کو دریا عبور کیا اور جہان خان سے نبرد آزما ہونے کے لئے آگے بڑھا۔ جہان خان احمد شاہ ابدالی کے ہراول دستے کا سالار تھا۔ دسمبر کی چوبیس تاریخ کو مرہٹے افغانوں سے متصادم ہوئے۔ مگر شکست کھائی۔ مرہٹوں کی اس شکست سے آئندہ چند سال تک شمالی ہندوستان پر ان کو یورش کرنے کا خطرہ ٹل گیا۔

اب نجیب کو مغرب کی طرف احمد شاہ ابدالی کا استقبال کرنے کا راستہ صاف ہو گیا تھا۔ وہ میرٹھ جا پہنچا اور بادشاہ سے وہاں پر اسے مشرف باریابی حاصل ہوئی۔ بادشاہ نے اسے شاہی خلعت سے سرفراز کیا اور اس کے ساتھ اسے ایک عربی گھوڑا بھی عنایت فرمایا۔ اس کے بعد بادشاہ دہلی کے جانب روانہ ہوا اور انوپ شہر میں قیام کیا' داتا جی بھی دہلی کے جانب بڑھا اور جنوری کی چوتھی تاریخ کو براری گھاٹ پہنچ گیا۔ گیارہ جنوری کو وہ جنگ پر مجبور کر دیا گیا۔ اسطرح وہ دلاور قہرمان مرہٹہ جرنیل بالاخر میدان جنگ تک جا پہنچا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شمالی ہندوستان کچھ عرصہ کے لئے مرہٹوں کی یورشوں سے محفوظ ہو گیا۔ ملہار راؤ ابھی تک اس مناقشے میں نہیں آیا تھا۔ اور خود کو اس سے ایک طرف رکھا۔ اس نے روہیلکنڈ کی سرزمین میں روہیلوں کے خلاف گوریلا لڑائی شروع کر رکھی تھی۔ اس طرح وہ سکندرہ تک جا پہنچا تھا۔ بادشاہ کے عساکر بھی پوری سرعت کے ساتھ اس کی تعاقب میں آگے بڑھ رہے تھے۔ جہان خان اور نجیب الدولہ نے باآخر ملہار کے ہراول دستوں کو جا لیا۔ اور اسے واپس بھاگ جانے پر مجبور کیا' خود ملہار آگرہ کی جانب بھاگ نکلا۔ جھانسی سے خوفزدہ کشاو راؤ کچھ یوں رقمطراز ہوا

" مختصر یہ کہ ابدالی اور روہیلوں کا اتحاد عمل میں آیا ہے۔ ان کی افواج کی تعداد بے حساب ہے۔ ان کے پاس بہت بڑا توپخانہ اور گولہ بارود بھی ہے۔ ان کا مقابلہ کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ گو کہ اس صورت حال میں ملہار نے یہ کوشش کی کہ ان کو خوفزدہ کر دیں مگر ابدالی اور روہیلے کوئی مغل تو نہیں ہیں کہ ڈر جائیں گے۔ وہ سرفروش جنگ آزما لوگ ہیں حملہ کرنے اور تلوار چلانے کے فن سے خوب واقف ہیں۔ "

باآخر مرہٹے اس نتیجہ پر پہنچے۔ اور ایک سال بعد معلوم ہوا کہ دشمن کی عسکری برتری اور طاقت ان کی قومی تباہی اور بربادی کا باعث بنی۔

ابدالی کوئیل کی طرف واپس ہوا۔ وہ وہاں برسات کے دنوں میں قیام پذیر رہا۔ اور مرہٹے بڑی بے تابی سے جنوب کی طرف سے ان کے لئے مزید کمک بھیجے جانے کے منتظر رہے۔ تاکہ اپنی بربادی کو ایک بار پھر سنبھالا دے سکیں۔ اس طرح بالاخر پانی پت کا تاریخی معرکہ پیش ایا۔

جنگ پانی پت

احمد شاہ ابدلی نے جب 1757 میں ہندوستان پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا تو اس میں اول تو مرہٹوں کی سر کوبی کرنا مقصود تھا۔ اس لئے کہ انہوں نے پنجاب پر بھی قبضہ جما لیا تھا اس کے ساتھ وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ سکر تال میں محصور نجیب کو مرہٹوں کے سخت نرغے سے چھڑادے۔ اس طرح اس نے ایک طرف تو مرہٹوں کو پنجاب سے بھاگ نکلنے پر مجبور کیا اور ان کی باراری گھاٹ میں بھی خوب سرزنش کی اور داتاجی کو بھی محاصرہ اٹھانے پر مجبور کیا اور اسے میدان جنگ میں قتل کیا۔ مزید یہ کہ ملہار راؤ کی افواج کو بھی سکندرہ کے مقام پر شکست فاش سے ہمکنار کیا۔ اپنی ان فتوحات پر وہ بس کرتا اور پہلے کی طرح قانع ہو کر واپس قندہار چلا جاتا۔ مگر نجیب الدولہ جانتا تھا کہ باوجود اس کے کہ مرہٹے شکست کھا چکے ہیں مگر ان کی پوری سر کوبی نہیں ہوئی۔ اس کو یہ خطرہ نظر آرہا تھا کہ جونہی ابدالی واپس مراجعت کر کے اپنے دیس چلا جائیگا اور وہ ہندوستان میں نہیں ہوگا تو یہ پھر سے سر اُٹھالیں گے اور اس پر حملہ آور ہوں گے۔ اس لئے اس نے بڑی سختی سے بادشاہ کی سماجت کی اور ابدالی کو باوجود اس کے مخالفین کی مخالفت کے اس بات پر مجبور کیا کہ وہ کچھ عرصہ کے لئے مزید ہندوستان میں رکا رہے اور مرہٹوں کا معاملہ یکسر ختم کر دے۔ اس کا خیال تھا کہ اس وقت مرہٹے بادشاہ کی ہر بات کو تسلیم کرنے پر

راضی ہونگے۔ اور اس کی عتاب کے ڈر سے اپنے آپ کو بچانے کے در پے ہونگے۔ اور صلح و آشتی کی راہ نکالنے کی کوشش بھی کریں گے مگر بادشاہ کی واپسی پر فی الفور پھر سے فتنہ آغاز کریں گے۔ اور مجھے نیچا دکھانے کے در پے ہو جائیں گے۔ میرے لئے ہر بار یہ مشکل ہو جائیگا کہ بیرونی کمک پر بھروسہ کروں۔ اگر اس بار ان کو ان کے کیئے کی قرار واقعی سزا نہیں ملے گی۔ اس لئے کہ سب کے سب دکنی یہاں آ پہنچے ہیں۔ ایسا کرنے اور ان کی مکمل سرکوبی کرنے کے بعد ہی شمالی ہندوستان پر ان کا قبضہ جمانے اور اپنی سلطنت قائم کرنے کا خواب چکنا چور ہو جائیگا۔ اس کے بعد ان کو ایک عرصہ درکار ہو گا کہ اپنی طاقت دوبارہ بحال کر سکیں۔ ان کے دفع ہو جانے پر کچھ تو ہم کو بھی آرام سے رہنے کا موقع مل جائیگا۔ اس نے بادشاہ کو سرزمین ہند کی سیاست سے بھی پوری طرح اگاہ کیا اور اس لئے اس بات پر اُسے آمادہ کیا کہ انکے مشترکہ دشمن سے مقابلہ کرے۔ اسی کے پیش نظر اس نے اپنے طرفداروں کی امداد طلب کی اور اس طرح شمالی ہندوستان کی قوتوں کو دکن والوں کے خلاف صف آرا کیا۔ اس کے اس حتمی ارادے پر شجاع الدولہ نے سب سے پہلے لبیک کہا۔ گو کہ وہ بادشاہ کا ساتھ دینے پر کمربستہ تو ہو گیا۔ پھر بھی وہ اس مخمصے میں رہا کہ اس کا فائدہ اس اتحاد میں شامل ہونے میں ہو گا۔ یا مرہٹوں کا ساتھ دینے میں۔

ابدالی کے کیمپ تک شجاع کے لانے کی غرض سے نجیب بذات خود اس کی طرف بھیجا گیا۔ وہ اس کے پاس بادشاہ کے اس وعدے کے ساتھ چلا گیا کہ وہ اسے وزارت کے عہدے پر سرفراز کر دیگا اور مغل شاہنشاہ شاہ عالم کو دوبارہ تخت نشین کر دیگا۔ شجاع نے بھی اسے اپنے لئے خطرات سے آگاہ کیا۔ وہ ابدالی کے افسران سے

خائف تھا۔ اور اپنے ساتھ ان کی بد سلوکی کرنے سے ڈرتا تھا۔ وہ ایسے کسی بھی رویہ کا روا دار نہیں تھا۔ اس ضمن میں نجیب نے اسے یقین دلایا کہ اسکا بادشاہ کے نائبین سے کسی قسم کا کوئی سروکار نہیں ہوگا۔ اور خدا گواہ ہے اگر بادشاہ نے بھی آپ کو بُری نگاہ سے دیکھا تو میں اپنی ان انگلیوں سے اس کی دونوں انکھیں نکال دوں گا۔ اگر میں نے ایسا نہیں کیا تو میں پٹھان ماں کا جنا ہوا نہیں ہوں گا۔ تمام ڈیڑھ لاک افغان جو یہاں ہندوستان میں آباد ہیں سب کے سب آپ کا ساتھ دیں گے۔ کوئی اور اگر ایسا ہوتا اور وہ بادشاہ کے حضور جانے پر رضامندی ظاہر نہ کرتا تو مجھے اس سے کسی گلہ کرنے کا کوئی حق نہ پہنچتا مگر اب جبکہ میں آپ کے حضور بذات خود حاضر ہوا ہوں اور مجھے آپ کی مہربانی پر پورا بھروسہ تھا کہ آپ میری درخواست سے بے اعتنائی نہیں برتیں گے۔ اپنی ان باتوں سے اس نے شجاع کے دل میں نرمی پیدا کر دی اور آخر میں اپنی مدعا یہ کہہ کر اس قسم کا پردہ ظاہر کر دی کہ میں کسی گلہ کرنے کا حق تو نہیں رکھتا لیکن اگر جناب والا کسی اور قاصد کے روبرو ہوتے اور اس کی عرضداشت کو ٹھکرا دیتے اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے سے انکار کرتے تو کوئی مضائقہ نہ ہوتا۔ مگر اب جبکہ میں بذات خود آپکی کرم فرمائی اور مہربانی سے یہاں آیا ہوں تو مجھے یقین واثق ہے کہ آپ میری لحاظ فرما کر میری اس درخواست کو قبول فرمائیں گے۔ کہ ان دو باتوں سے ایک پر عمل فرمادیں۔ وہ یہ کہ یا تو آپ میرے ہمراہ شاہی کیمپ میں چلے جانے کا دم بھر لیں اور یا لے لو میرا یہ خنجر اور اپنے دست مبارک سے میرا گردن میرے تن سے کاٹ دے۔ اب اگر آپ یہ حکم فرمائیں کہ میں آپ کو یہ لکھ کر دیدوں کہ میں اپنی اس موت کا بذات خود ذمہ دار ہوں تو یہ بھی کرنے میں مجھے کوئی تامل نہیں ہوگا۔

مرہٹوں کا سرغنہ بھاؤ بھی اپنا سفیر شجاع االدولہ کے پاس بھیج چکا تھا۔ اور اسے اپنی اعانت اور طرف دار ہونے کی درخواست کی تھی۔ لیکن اس کے وعدے وعید کچھ ایسے قابل اعتبار نہیں تھے۔ اور نہ وہ اپنی باتوں کا پاس رکھتا تھا۔ شجاع کی نظر میں اسکی باتیں یقین کے قابل نہیں ہو سکتی تھیں۔ کہتے ہیں کہ بھاؤ کے قاصد کو اس کا جواب جیسے کہ سیر المتاخرین کے مصنف مرزا غلام علی بگرام نے تحریر کیا ہے۔ کچھ اسطرح ہے کہ " باآلاخر شجاع نے بھاؤ کے قاصد کو کہہ دیا کہ مرہٹے اور بالخصوص ان کے برہمن جو کہ دکن میں اس قدر قوت و اختیارات کے مالک بنے بیٹھے ہیں کہ اب وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہر کسی کو اپنی مرضی کا تابع کر دیں اور اس بات کے حق میں ہرگز نہیں ہیں کہ کوئی اور بھی اس دنیا میں اپنے اختیار کا مالک ہو۔ اور یا زمین کا تھوڑا سا ٹکڑا اپنے گذر اوقات کے لئے اپنے تصرف میں رکھے۔ ان کی بے ایمانی اور وعدہ خلافیوں اور کیئے گئے معاہدات سے آئے دن اُن کا انحراف اور پھر جانا اس حد کو پہنچ گیا ہے کہ ساری انسانیت ان سے بیزار ہو چکی ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ ان کے اعمال کی ان کو سزا ملے یہی کچھ ان کی یہ عہدیوں کا صلہ ہو گا۔ ہر کسی کے ساتھ ان کے آئے دن کی بد سلوکیوں کا یہی نتیجہ ہو سکتا ہے۔ اب اس کے پیش نظر یہ ضروری ہو گیا ہے کہ خود اپنے آپ کو اور اپنے خاندان و اقارب کو مزید اس بد سلوکی، شرمندگی اور بے عزتی سے بچائے اور اپنا اندوختہ اور رزق و روزی اپنے آپ پر صرف کرے۔ ہندوستان کے لوگ اب مجبور ہیں کہ وہ ابدالی بادشاہ کو اپنی حفاظت کے لئے مدعو کریں۔ اور اس کی امداد و اعانت کے طلبگار ہو جائیں۔ اور اسی ارادے سے وہ ہندوستان میں داخل ہوا ہے۔ کہ مرہٹوں کو ان کی

متجاوزانہ حرکات پر قرار واقعی سزا دے اس لئے اس صورت حال میں کسی قسم کی گفتگو کا سوال پیدا نہیں ہو سکتا۔

اس کے باوجود شجاع کے اس دو ٹوک فیصلہ کہ وہ بادشاہ کی طرفداری کرے اس کی یہ کوشش رہی کہ صلح و آشتی کی راہ اختیار کی جائے اور جنگ و پیکار تک نوبت نہ پہنچ سکے۔ عماد الدولہ اور چند ایک اور ہندوستانی امرا بھی اس خیال سے متفق تھے مگر نجیب اس بات پر بضد تھا اور زور دیکر یہی کچھ کہتا کہ باوجود اس کے کہ اکثر درباری امراء اور نائبین اس حق میں ہیں کہ مرہٹوں کے ساتھ صلح کی جائے مگر میرا اپنا خیال یہی ہے کہ اس بات میں کسی قسم کی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ مرہٹے سر زمین ہند کا کانٹا ہیں اگر ان کو راستے سے ہٹا دیا گیا تو پھر جب بھی آپ نے چاہا تو ہندوستان کی سر زمین پر آپ کا تصرف اور حکومت قائم ہو سکے گا۔اب یہ فیصلہ اپ نے کرنا ہے۔ جو آپ کی مرضی ہو گی وہی کچھ کیا جائیگا۔ میں نے اپنا عندیہ آپ کے حضور من و عن پیش کیا۔ میں تو ایک سپاہی ہوں اپنے فرض سے واقف ہوں اور ہر اس کا ساتھ دینے کا سلیقہ رکھتا ہوں کہ کسی صورت میں حکم عدولی نہ کروں اور اس بات سے متفق ہو جاوں جو صائیب اور متفقہ ہو۔

پھر جب اسے یہ پتہ چلا کہ شجاع بھی صلح کے حق میں ہے تو اس نے کہا کہ شجاع اس شخصیت کا فرزند ہے جسے میں نے اپنا مربی اور آقا تسلیم کیا تھا اور اس کو بھی اسی رتبے میں رکھتا ہوں۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ ابھی وہ نوجوان ہے اور دنیا کے کاموں کی اتنی سمجھ نہیں رکھتا۔ وہ اس بات سے بے خبر ہے کہ معاملہ کی تہہ میں

کیا کچھ ہے۔ یہ رویہ خود فریبی کے مترادف ہے۔ اس لئے کہ جب ایک دشمن شکست خوردہ اور کمزور ہو جائے تو وہ بے بسی کے عالم میں سبھی کچھ ماننے پر آمادہ ہونے کو تیار ہوتا ہے۔ اور بات چیت کے دوران حلفیہ وہی کچھ ماننے کو تیار ہو جاتا ہے کہ آپ جو کچھ کہیں ان کو منظور ہو گا۔ مگر قسمیں کھانا اور حلفیہ باتیں کرانا کوئی ہتھکڑیان یا زنجیریں تو نہیں ہوتی کہ کسی کو باندھے رکھے۔ یہ تو محض باتیں ہوتی ہیں اب دشمن کو اس حد تک زیر کرنے کے بعد اگر آپ اس کو آزاد چھوڑ جائیں تو کیا خیال ہے کہ وہ اس موقع کی تلاش مین نہیں رہیگا کہ اپنا کھویا ہوا وقار اور عزت ایک بار پھر بحال کر سکے۔ اس وقت جبکہ پورا دکن ہمارے رحم و کرم پر ہے ایسا موقع پھر ہاتھ نہیں آئیگا ہم اب ایک حملہ سے اس کانٹے کو اپنے سامنے سے ہٹا سکتے ہیں اور یہ بھی کہا کہ نواب بھی ذرا تامل سے کام لے میں خود اس کو سمجھا دوں گا کہ ہمارا فائدہ کس بات میں ہے۔

احمد شاہ ابدالی نے نجیب کی درخواست قبول کر لی اور اس کے جواب میں یہی کچھ کہا کہ بے شک تم سچ کہتے ہو۔ میں تمہارے مشورے سے متفق ہوں اور کوئی تجویز اس کے بر عکس مجھے منظور نہیں ہو گا۔ شجاع الدولہ نوجوان ہے۔ ابھی وہ اتنا تجربہ نہیں رکھتا اور مرہٹے شاطر اور چالاک ہیں ان کی ظاہری صلح جوئی کا کوئی اعتبار ہو نہیں سکتا اس لئے میں نے تمہیں ابتدا ہی سے اس ذمہ داری کو نباہنے کے لئے منتخب کیا تھا۔ اور چاہتا تھا کہ جو کچھ بھی تم کو صائیب اور قابل عمل دکھائی دے اسی پر عمل کیا جائیگا۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے تو مجھے ہر کسی کی بات سننا ہو گی۔ مگر تمہاری مرضی اور منشاء کے بغیر کوئی اور اقدام نہیں کروں گا۔

پھر جب وقت آن پہنچا تو نجیب اس آخری معرکہ کے لئے جو اس کی نظر میں تھا اپنی تمام قوت کے ساتھ میدان میں نکلا۔ اپنے تمام پندرہ ہزار گھوڑ سوار (رسالہ) اور ساری پیادہ لشکر بادشاہ ابدالی کے سپرد کر دی۔ اس نے اعلان کیا کہ میں اس معرکے کا دولہا ہوں اسکا ہر انجام اور نتیجہ میری ذات پر مبنی ہے۔ باقی سب اس جنگ او معرکہ کے شرکاء میرے مہمان ہیں جو کچھ درپیش ہوگا اس کا میں ذمہ دار ہوں گا جو کچھ کرنا ہے مجھے کرنا ہوگا۔

نجیب الدولہ کے روہیلہ پٹھانوں نے خود کو آشکارا کیا' میدان جنگ میں ان کی عزم و ہمت اور جرات و بہادری ضرب المثل بن گئی۔ پہلے تین معرکوں کی تفصیل کاسی رائے نے یوں بیان کی ہے۔ کہ دوسرے معرکہ میں جو سات دسمبر 1760 کو پیش آیا نجیب الدولہ کی افواج نے مرہٹوں پر ایک زور دار حملہ کیا۔ یہ حملہ ملگجی شام کے وقت کیا گیا۔ سورج غروب ہونے سے گھنٹہ بھر پہلے یہ عساکر مرہٹوں کے فرودگاہ پر چڑھ دوڑے تھے۔ مگر ان کا یہ حملہ بھاری نقصان اٹھانے پر پسپا ہو گیا گو کہ نجیب فتح کے قریب تھا اور نانا فرنویس کے مطابق اس شب کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے کوئی بھی ہم میں سے زندہ نہ رہتا۔ اگر قسمت ہمارا ساتھ نہ دیتی۔

اس میں شک نہیں اگر احمد شاہ ابدالی روہیلوں کی اس ایک یلغار کا پشت پناہ بنتا تو جادو ناتھ سرکار کے خیال میں اگر وہ اپنی افواج کو ان کی امداد کے لئے آگے بڑھاتا اور مرہٹوں کی افواج کی دوسری طرف پر حملہ آور ہوتا تو ان کی تمام مورچوں اور قلعہ بندیوں کو تہس نس کر دیتا اور بات کچھ دن اور جنوری کی چودہ تاریخ تک پورا ایک مہینہ اور ایک ہفتہ مزید طول نہ پکڑتا۔ اور جنگ کا فیصلہ اسی روز ہو چکا ہوتا۔ مگر روہیلوں کا یہ

حملہ اس قدر اچانک بے ساختہ اور جارحانہ تھا کہ اس کی اجازت لینے کی بھی ضرورت تک محسوس نہیں ہوئی۔ اس حال میں جبکہ شام کا اندھیرا بھی پھیل رہا تھااور پیچھے سے مزید امداد کے پہنچنے کی کوئی صورت بھی نہیں بنتی تھی اس لئے ان کی اپنی بے پناہ مردانگی اور قربانیوں کے باوجود اس حملہ آور فوج کو پیچھے دھکیل دیا گیا۔ اس کی اصل وجہ ان عساکر کی اپنی بے ترتیبی اور اپنے میر عساکر کے حکم پر عمل نہ کرنا تھا۔

اس کے بعد احمد شاہ ابدالی نے نجیب الدولہ کو بائیں ہاتھ کی کمان دیدی۔ بعد میں جب بادشاہ کی داھنی جانب اور قلب کو خطرہ درپیش ہو گیا تو نجیب اپنی طرف پر مضبوطی سے ڈٹا رہااور اپنے حصہ کی مردانگی پانی پت کی تاریخی جنگ اور فتح پانے میں ثابت کر دی۔ وہ دشمن پر حملہ آور ہوا۔ دشمن پر پورے دو ہزار راکٹ برسائے۔ اس کے اپنے مورچوں سے مرہٹوں کی جانب اس کی راکٹوں کی یہ بارش ایسی تھی کہ دشمن کے سامنے دہویں کے بادل چھاگئے۔ ہر طرف جیسے اندھیرا چھاگیا۔ اوپر نیچے اور اگے پیچھے ہر طرف دھواں پھیل گیااور گولہ باری کے شور میں کچھ بھی سنائی نہیں دیتا تھا۔ باوجودیکہ دشمن کی افواج کا حملہ آور ہونے اورآگے بڑھنے کی خواہش تھی مگر یہ موقع اسے ہاتھ نہ آنے دیا۔ اس گولہ باری نے آگے کا راستہ بند کر رکھا تھا۔ گو کہ فتح مندی کا اصل باعث خود احمد شاہ بادشاہ درانی کی اپنی جنگی حکمت عملی رہی مگر نجیب الدولہ کا اس کو اس طرف راغب کرنے کی ہنر مندی اور اس کی سیاسی سوجھ بوجھ اس فیصلہ کن جنگ کا پیش خیمہ بنی۔ اور اس کے نتیجہ میں وہ تاریخی فتح عمل میں آئی جس نے شمالی ہندوستان میں مرہٹوں کے چھاجانے اور ان کی سلطنت قائم کرنے کا خواب چکنا چور کر دیا۔

پانی پت کے بعد

پانی پت کے اس معرکہ نے نجیب کو کئی ایک اور مسائل سے دوچار کر دیا۔ وہ 1761 اور 1771 کے درمیانی عرصہ میں مرہٹوں کی جانب سے اٹھنے والے خطرات سے کچھ عرصہ کے لئے محفوظ رہا۔ اس لئے کہ وہ اس کو اپنے لئے سب سے زیادہ خطرناک دشمن سمجھتے تھے۔ ہر دو جانب سے یہ دشمنی اور عداوت کا خوف یکسان تھا۔ مغل بادشاہ شاہ عالم اب تک شہر بدر تھا۔ وہ فطرتاً بے اعتبار اور کمزور طبعیت کا انسان تھا۔ اس کے ساتھ کوئی بھی توقع اور امید وابستہ نہیں کی جاسکتی تھی۔ اس کا دہلی واپس آنے کا بھی یارا نہیں تھا۔ اور شاہی اختیارات اپنے ہاتھ میں لینے کی اس میں ہمت نہیں تھی سورج مل اور بھرت پور کا جاٹ مہاراجا ہر دو ابھی تک صحیح سلامت موجود تھے۔ پانی پت کی اس جنگ میں ان کو کسی قسم کا نقصان اٹھانا نہیں پڑا تھا اور عماد الدولہ بھی متورا میں بڑے آرام سے دن گذار رہا تھا وہ دہلی کے تمام اختیارات کو اپنے ہاتھ میں لینے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ شجاع الدولہ جو کہ اپنی حتمی مرضی کے بغیر اس جنگ میں شریک ہونے پر مجبور کیا گیا تھا۔ بڑے طیش اور غصہ سے اپنے صوبہ میں جا چکا تھا۔ اب سکھ بھی پنجاب میں زور پکڑ چکے تھے۔ اسی وجہ سے انہوں نے پنجاب کے اندر سارا سیاسی نظام بے اثر کر رکھا تھا۔ اب وہ اس صوبہ میں آزادی کے ساتھ لوٹ مار کرنے میں لگ گئے تھے۔

اور جتھے اور افواج جمع کرنے میں مصروف ہو گئے تھے۔ وہ جا بہ جا قلعے اور حصار تعمیر کر رہے تھے ۔ ان حالات میں نجیب ہر طرف سے بے اعتبار ساتھیوں اور حاسد دشمنوں کے پیچ پھنس کر رہ گیا تھا۔ اس کے باوجود وہ اپنے کام میں مگن رہا۔ اور پورے انہماک کے ساتھ سلطنت کی خیر خواہی میں مصروف رہا۔ اس طرح اس نے اپنے آپ کو اپنی اہلیت ' قابلیت اور اعلی فوجی صلاحیتوں کی بدولت ایک نام آور جرنیل اور مدبر سیاست دان کے سرخرو کر دیا۔

اپنے وطن کی جانب واپس لوٹ جانے سے پہلے احمد شاہ نے ایک بار پھر وزارت کا قلمدان عمادالملک کے سپرد کر دیا۔ اس نے ایسا اس لئے کیا کہ اس کے سوجھ بوجھ اور سیاسی فراست اور تدبر نے اسے یہ باور کرایا تھا کہ نہ تو شجاع الدولہ اور نہ ہی نجیب شاہی خاندان کو قابل قبول ہو گا اس لئے یہ ہر دو مغلیہ شاہزادوں کی طبعیت پر راست نہیں تھے۔ اگرچہ اہل تشیع ہونے کے ناتے پانی پت کی لڑائی ہیں اس نے سرد مہری دکھائی تھی اور مزید یہ کہ اس کی تمام تر شخصی اہمیت اور برتری کے اس کے نجیب کے ساتھ اختلاف کی وجہ سے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اس کے ساتھ تعاون کرنے پر راضی ہو جاتا۔ پھر یہ کہ خود نجیب کسی کے ہاتھ کا کھلونہ نہیں بن سکتا تھا۔ جادو ناتھ سرکار کے مطابق احمد شاہ ابدالی یہ چاہیتا تھا کہ اپنے پیچھے ایک ایسا انتظامی ڈھانچہ چھوڑ جائے۔ جس پر ہندوستان کی ساری قوتیں متفق رہیں اور اسے بھی اپنا سالانہ خراج باقاعدگی سے ملتا رہے۔

اس کا اصل مقصد عمادالملک کو اپنی وزارت کی چوکی پر برقرار رکھنا اور نجیب الدولہ کو بخشی کا عہدہ دینا اس غرض سے تھا کہ ان دونوں عالی رتبہ شخصیات کو جدا جدا حیثیت اور مقام پر متمکن رکھیں اور اس طرح ان پر اپنا تصرف برقرار رکھے۔ اور ہندوستان کی سیاست میں اس کا اپنا عمل دخل اپنی جگہ پر قائم رہے اور اس کی برتری کو گزند نہ پہنچ سکے۔ مگر خود نجیب الدولہ جو کہ بذات خود ایک کھرا آدمی تھا اور اس کو اپنے مقام اور حیثیت کا پورا پورا احساس تھا اور باوجود یہ کہ اس کا راستہ مسدود کیا گیا تھا پھر بھی اس نے احمد شاہ ابدالی کے ساتھ اپنے تعلقات مکمل خیر سگالی اور وفاداری سے نبھائے اور ان کے درمیان باہمی احترام اور محبت کا سلسلہ آخری دم تک برقرار رہا اور اس میں کسی قسم کا رخنہ یا خلل واقع نہیں ہوا۔

عماد الملک کا دہلی میں پہنچنے میں اس کی تاخیر اس کے حق میں سود مند نہیں تھی اور نجیب الدولہ خود کو شہزادہ جہان بخت اور ملکہ عالیہ کے قریب تر لانے میں کامیاب رہا۔ ان دونوں نے اپنے تمام تر اختیارات بلاکم و کاست نجیب کو سپرد کر دیئے۔ اس طرح دہلی میں اس کی حیثیت خوب مضبوط ہو گئی۔

فروری 1762 میں احمد شاہ ابدالی ایک بار پھر ہندوستان میں وارد ہو گیا اور بارہ دسمبر 1762 تک وہیں قیام کیا۔ نجیب الدولہ اس کی خدمت میں حاضر ہوا اور چونکہ عمادالملک ابھی تک اپنے اختیارات کو سنبھالنے میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔ اس لئے وزارت کا قلمدان شجاع الدولہ کے حوالے کر دیا گیا۔

اب شجاع الدولہ شاہ عالم کی مضبوطی میں مصروف ہو گیا۔ اس خیال سے کہ دہلی کے تخت میں اس کو مضبوطی سے بٹھائے رکھے اور اس طرح اپنی وزارت کے لئے بھی جواز فراہم کرے۔ مگر وہ اپنی کوشش اور ارادے میں ناکام رہا۔ وہ نواب احمد خان بنگش اور روہیلہ سرداروں کی مخالفت کی وجہ سے ایسا نہیں کر سکا اور جب نوبت لڑائی تک جا پہنچی تو نجیب الدولہ ان کے مابین بیچ بچاؤ اور صلح کرنے اور مصالحت کی خاطر درمیان میں آیا اور یوں وہ خطرہ ٹل گیا جو کہ ہر دو فریق کے مابین خون ریزی کا باعث بنتا۔

جس وقت نجیب نواب احمد خان بنگش کے علاقے سے گذر رہا تھا۔ اور اس کی فوج جن قصبوں اور شہروں سے گذرا وہاں کی آبادی کو پامال کر دیا تھا۔ بنگش نواب اس بات پر بہت کبیدہ خاطر اور ناراض تھا اور نجیب کو ڈھائی سو تھال کھانے کے اس طعنہ کے ہمراہ بجھوا دیئے کہ میں ان تھالوں میں یہ خوراک آپ کے پاس بھیج رہا ہوں اور میر یہ ملک بھی تمہارے لشکریوں کے رزق و روزی کا سامان مہیا کرنے کے لئے کھلا ہے جو کچھ بھی تم نے کیا اچھا کیا نجیب نے اس بات کی پروا نہیں کی اور جواب میں کہلا بھیجا کہ اگر میرا باپ بھی شجاع کو بری نگاہ سے دیکھتا تو میں اس کی خبر لیتا۔

ایک اور موقع پر جب روہیلوں نے سالار جنگ کو گرفتار کیا تو نجیب نے اپنے سُسر دوندے خان کو خوب ڈانٹا اور کہا کہ نمک حرام لوگوں کچھ تو شرم کرو اور خدا سے ڈرو یہ تو وہی شجاع ہے۔ جس نے سکر تال میں افغانوں کا ساتھ دیا تھا اور ان کی عزت بچائی تھی۔

شجاع واپس اپنے صوبہ کی جانب چلا گیا۔ مغل بادشاہ شاہ عالم جو کہ افغانوں پر شاکی تھا اس نے دہلی جانے اور کسی اور کا دست نگر ہونے سے انکار کیا۔ اس لئے 1761 سے اس کے انتقال تک نجیب دارالحکومت میں تمام تر سیاہ و سفید کا مالک رہا۔ اس زمانہ میں دہلی میں جیسے اس نے موقتی شہنشاہ کا کردار ادا کیا اور ہر بات کا اسے اختیار حاصل رہا۔ وہ حاکم بھی تھا اور مختار کار بھی تھا۔ اس کا انحصار کلی طور پر اپنے ذرائع اور وسائل پر رہا۔ اس عرصہ میں ملک میں مقابلتاً امن وامان رہا۔ مگر یہ امن محض اس کی خوش بختی سے رہی۔ اس کی اپنی سیاسی تدبر عظمت اور شان اور ذرائع اور وسائل کا احسن طریقہ سے بروئے کار لانے اور ہر موقع سے اسکے فائدہ اُٹھانے کی اس کی اپنی خداداد اہلیت اور تدبرہ کا ثمرہ تھا۔

ان ایام میں سب سے گھمبیر واقعہ اس کا پہلے جاٹ مہاراجا سورج مل اور پھر اس کے بیٹے جواہر سنگھ کے ساتھ پیش آیا۔ سورج مل اسی تاک میں تھا کہ عمادالملک جب ایک بار پھر اپنے عہدئہ وزارت پر بحال ہو جائے تو وہ کسی روک ٹوک کے بغیر دہلی میں خود بخود تمام اختیارات کا مالک ہو جائیگا مگر وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب نہیں ہوا اور عماد الملک کی بجائے اس کا روزگار نجیب کے ساتھ رہا جسے نہ تو وہ قابو میں لا سکتا تھا اور نہ ہی اسے فریب دے سکتا تھا۔ پھر نجیب الدولہ کا فرخ نگر کے بلوچوں اور میراتیوں کے ساتھ ان کی فرمانبرداری اور وفاداری کے باعث ان کی طرف داری کرنے کے پیش نظر کہ اب وہ بیچارے اس جاٹ راجا کے ظلم و تشدد کا نشانہ بنے تھے نجیب کا اس کے ساتھ اختلاف کا سبب بنا۔ 1763 میں سورج مل نے فرخ نگر پر قبضہ کر لیا۔ نجیب نے بہت کوشش کی کہ اس جاٹ راجا کے ساتھ دوستی نبھائے مگر اس کے ماضی قریب کی فتوحات

اور کامیابیوں اور اپنی دولت وثروت اور فوجی طاقت کے زعم میں وہ صلح کی کسی بات پر راضی نہیں تھا' بالآخر ھتدان کی جنگ میں سورج مل نے شکست کھائی اور خود بھی لڑائی میں کام آیا۔

سورج مل کے مارے جانے کے بعد اس کے بیٹے جواہر سنگھ نے اس عداوت کو جاری رکھا۔ اس نے مرہٹوں سے بھی امداد طلب کی اور سکھوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ مگر اول الذکر فریق نے اس کو دھوکے میں رکھا اور دوسرا فریق لڑائی میں براہ راست شریک ہونے کی بجائے زیادہ تر لوٹ مار کرنے کی طرف مائل رہا۔ اس لئے جواہر سنگھ ان لوگوں کو اپنے ملک سے نکال باہر کرنے پر مجبور ہو گیا۔ یہ ایک تحریر جو کہ عبدالسلام کے مخطوطوں میں محفوظ ہے نجیب الدولہ کی مخلصانہ صلح جوئی کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ اس میں لکھا گیا ہے کہ خدا گواہ ہے کہ جو کچھ پیش آیا سب کچھ اللہ تعالی کی مرضی تھی۔ اس معزز مہاراجہ کی یہ خواہش تھی کہ بلوچوں کو فرخ نگر سے نکال باہر کر دے۔ ان لوگوں کا کوئی دوسرا ذریعہ تھا نہیں اور نہ ہی ان بے چاروں کی ایسی کوئی طاقت و قوت ان کے پاس تھی کہ مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ میں نے اس کو کئی بار لکھ بھیجا کہ ان مظلوموں کے خون بہانے سے کچھ فائدہ نہیں ہو گا اور یہ کہ اس کو زیب نہیں دیتا کہ ان لوگوں پر زیادتی کرے۔ پھر بھی اگر ان سے کوئی قصور سرزد ہوا ہو تو میں ان کو سمجھا دوں گا۔

مہاراجا نے میری اس درخواست کی ذرہ بھر بھی پرواہ نہیں کی اور اپنی فوج سے فرخ نگر کو گھیر لیا۔ اور بلوچ سرداروں کو جیل میں ڈال دیا۔ اس کے باوجود میں نے

وکیل بھیج دیئے کہ ان کو رہا کرادیں۔ مگر وہ اس پر بھی راضی نہیں ہوا اور جیسے کہ مشیت الٰہی کبھی بھی کسی انسان کی مرضی کے مطابق نہیں کرتی کہ حالات ٹھیک نہیں ہوسکے اور نیتجتاً ایک بڑے گھرانے کی بربادی کا سبب بنے اور خون خرابہ پر منتج ہوگئے۔ پھر اس نے مجھ پر ایک بے اعتبار دوست اور ساتھی ہونے کی تہمت لگائی اور اس بدگمانی کی وجہ سے اس نے میرے ساتھ زیادتی بھی کی۔

باایں ہمہ میں نے اس کو راضی کرنے کی کوشش کی اور یہ چاہا کہ کسی طریقہ سے اس کی غلط فہمی کو رفع کرلوں ایک دوست کی حیثیت سے میں نے پوری کوشش کی کہ ہماری یہ دوستی برقرار رہے اور دل کی کدورت باقی نہ رہے۔ اور جنگ و نزاع کی بجائے ہمارے درمیاں صلح و آشتی قائم رہے۔ مگر یہی کچھ اس کی قسمت تھی اب چاہیئے کہ ہمارے دیرینہ تعلقات پھر سے بحال ہو جائیں اور ایک دوسرے کے ساتھ یگانگت او ر تعاون کی فضا پھر سے قائم ہو۔ یہ ہم دونوں کے لئے خیر اور فائدے کا عمل ہوگا۔ ورنہ ایک دوسرے کے ساتھ عدوات اور لڑائی جھگڑے سے ہم دونوں کا نقصان ہوگا اور ہمارے دشمن کو اسکا فائدہ پہنچے گا۔ جو فوج تم نے اکھٹا کیا ہے چاہئیے کہ اس کو باغیوں کے سرکوبی کے لئے استعمال میں لایا جائے نہ کہ اسے اپنے ایک دوست اور بہی خواہ کے کمر توڑنے کے لئے میدان میں لے آؤ۔ ہمیں چاہے کہ ہم اپنے آپ کو خوش نصیب گردانیں کہ سلطنت کے دو بڑے صوبے ہماری تحویل میں ہیں اور کوئی دوسرا ہمارے ساتھ ان میں شریک نہیں ہے۔ ہم دونوں میں سے اگر ایک بھی برباد ہو جائے تو یہ خود بخود دوسرے کی بربادی کا سبب بنے گا۔ اگر تمہاری رضامندی اس میں ہوگی تو ہیں آپ کے ساتھ یہ معاہد کرنے کے لئے تیار ہوں اس کے برعکس اگر تم نے کچھ اور ٹھان لی

ہے تو اس کے ماسیوا اور کوئی چارہ نہیں ہو گا کہ ہم دونوں میدان میں اتر آئیں اور جنگ تک نوبت پہنچ جائے۔ اس کے نتیجہ میں فساد برپا ہو گا اور دونوں کو اس کی بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑیگی اور بے جا خون خرابہ بھی ہو گا۔ یہ تمام باتیں تمہارے لئے بھی سوچنے اور سمجھنے کی ہیں۔ اپنے رویہ میں تبدیلی لانے اور غصہ اور عداوت کی آگ پر پانی ڈالنے کی کوشش کرو۔

نومبر 1764 کے اوائل میں جواہر سنگھ نے اپنی افواج دہلی کے خلاف صف آرا کئے اور دہلی کے شہر پر بمباری شروع کی اور اس کے مضافات کی لوٹ کھسوٹ میں لگ گیا۔ مگر وہ شہر پر قبضہ جمانے میں کامیاب نہیں ہوا۔ اس لئے وہ بالآخر صلح کرنے پر مجبور ہو گیا اور فروری کی سولہ تاریخ کو ایک کروڑ ساٹھ لاکھ کے تاوان ادا کرنے کے بعد وہ واپس چل دیا۔

دہلی پر جاٹ یورش کے اس خطرے کے دور ہونے کے بعد نجیب دہلی کے قرب جوار کے اضلاع میں امن و امان قائم کرنے میں مصروف ہو گیا۔ ان اضلاع میں چھوٹے زمیندار خود سر ہو گئے تھے وہ محصولات اور لگان وغیر دینے سے انکاری ہو گئے تھے۔ بالخصوص ہریانہ کے جاٹ تو بے حد سر پھرے اور بے لگام ہو چکے تھے۔ نجیب نے پہلے تو یہ کوشش کی کہ ان زمینداروں کو لگان کی ادائیگی کرنے پر مجبور کرے اور اپنے بقایا جات کو بھی ادا کر دیں مگر جب ایسا نہ ہو سکا تو اس نے مجبوراً گبوانا کے قصبہ پر ہلہ بول دیا اور وہاں پر اپنے احکام جاری کرنے میں کامیاب رہا۔ اس کے بعد وہ حصار تک جا پہنچا اور رہتک پر چڑھائی کی اور جبراً وہاں امن و آمان قائم کیا۔

ایک اور دشمن جو آئے دن اس کی عملداری میں فساد برپا کرتا رہا اور اسے بہت تنگ کرتا تھا وہ وہاں کے سکھ حملہ آور تھے۔ مارچ 1762 کے اوائل میں تقریباً چالیس ہزار کے قریب سکھوں نے دریائے جمنا کو عبور کیا اور سہارنپور پر قابض ہو گئے۔ 1764 میں وہ احمد شاہ ابدالی کے ہندوستان آنے کی خبر سن کر واپس چلے گئے۔ دسمبر 1764 میں سکھوں نے باڑہ سادات اور چتر و مل کی نو آبادیاں جو کہ میرانپور میں واقع تھے کو تاراج کیا۔ یہ حادثہ ان ایام میں وقوع پذیر ہوا جبکہ نجیب دہلی میں گھیرے میں تھا۔ 1767 میں ایک بار پھر سکھ باڑہ سادات اور میرٹھ تک جا پہنچے۔ احمد شاہ ابدالی جواب پنجاب میں داخل ہو چکا تھا اس نے ضابطہ خان کے لئے امداد روانہ کی اور اس طرح سکھوں کو شاملی اور کیرانہ کے حدود میں بھاگ جانے پر مجبور کیا۔ وہ جمنا کے اس پار چلے گئے مگر کچھ عرصہ گذر جانے پر دوبارہ بڑے زور سے آگے بڑھے۔ دسمبر 1767 میں سکھوں نے دوآبہ پر حملہ کیا۔ اور نانوتہ تک جا پہنچے۔ نجیب الدولہ خود کاندیلہ تک آگے بڑھا تھا اور اس کے بعد وہ شمال کی جانب مظفر گڑھ جا پہنچا تھا۔ اور سکھوں کو مار بھگانے لگا وہ نانوتہ کے شمال میں اسلام گڑھ اور اس کے بعد ایک اور شکست کھانے پر بالآخر راج گھاٹ کے اس طرف بھاگ نکلنے پر مجبور ہو گئے۔

مورخ ویلیمز کا بیان ہے کہ یہ اس کی آخری فتح تھی۔ اس لئے کہ اس کا باقی ماندہ عمر درماندگی اور مجبوری کا تھا۔ اور اس کے بعد پنجاب کی طرف سے حملوں نے اتنا زور پکڑا کہ اس کا کوئی حد حساب نہیں رہا۔

کہا جاتا ہے کہ سکھوں نے نجیب الدولہ کی ساری طاقت ختم کر دی۔ اور وہ بالآخر اپنی شکست تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا۔ ان آخری سالوں میں جبکہ وہ بہت تھک گیا تھا اور وہ بے حالی و درماندگی سے ہمکنار تھا اس کے باوجود اس کی قوت ارادی مضبوط اور مستحکم رہی۔ اس بات کا پتہ اس کے مرہٹوں کے ساتھ مقابلہ کرنے سے ہو سکتا ہے جو کہ اس کے مرنے کے چند مہینے پہلے پیش آیا تھا۔ اپنے وہ دو مراسلے جو اس نے ملکہ عالیہ کے نام تحریر کئے تھے۔ انکے حوالہ سے یوں کہا جاتا ہے کہ وہ اس بات کو مان گیا تھا کہ کافروں کا غلبہ اور تجاوزات بہت بڑھ گئے ہیں اور اس میں خود اس قدر طاقت اور سکت باقی نہیں رہی کہ ان کا مقابلہ کر سکے۔ پھر بھی وہ خانوادۂ تیمور کا پورا وفادار ہے۔ فقط اس کمی آگئی ہے کہ خدمت گذاری کا حق ادا کرنے سے اب میں معذور ہو گیا ہوں۔ پھر بھی اس کے لئے تیار ہوں گا کہ شاہی خاندان کے افراد کے ہمراہ شاہ عالم کے دربار میں حاضر ہو جاؤں۔

ان خطوط کا بغور جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ نجیب الدولہ کے دل میں کچھ گلہ موجود رہا مگر اس لئے نہیں کہ وہ سکھوں کے ساتھ مقابلہ کرنے سے قاصر تھا بلکہ وہ خود مغل شہنشاہ شاہ عالم کی بے رُخی سے گلہ مند رہا۔ جس کی اس نے بڑی وفاداری سے خدمات انجام دیئے تھے۔ 1768 میں سکھوں کا یہ کہنا تھا کہ مغل شہنشاہ شاہ عالم نے سکھوں کو لکھ بھیجا تھا کہ وہ نجیب الدولہ کو سامنے سے ہٹا دیں۔ اس نوع کے ایک اور اشارہ سے اس کا سکھوں کے نام تحریر کردہ ایک اور خط سے شاہ عالم مغل کی بُری نیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مغل شہنشا کا یہ مراسلہ شجاع الدولہ کے ہاتھ لگا تھا۔ یہ خط بادشاہ کی طرف جسا سنگھ کے نام لکھا گیا تھا۔ جس میں اسے کہا گیا تھا، کہ وہ ایک دولت مشترکہ

میں اس کے ساتھ شریک ہو جائے اور شاہی خاندان کا ہمراہی بن جائے۔) انہی حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے مغربی سرحدات میں تحریک مجاہدی کی ابتدا کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید کی جو کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے فرزند تھے کے سکھوں کے خلاف جنگیں غالباً اسی کا نتیجہ تھی (اس سے بڑھ کر افسوس کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ جس شخص نے اپنی تمام عمر شاہی خاندان کی بہی خواہی اور وفاداری میں گذاری ہو اور ان کے ایک نمک حلال خادم ہونے کے ناطے ان کی خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ہو۔ اپنے ایسے دیرینہ وفا شعار خادم کی اس قدر سبکی کرے اور اسے دھوکہ میں رکھا جائے۔ نجیب عمادالملک کی طرح بے اعتبار اور نمک حرام نہیں تھا۔ مگر جب اس نے اپنے مقام اور حیثیت کو ذک پہنچنے کا خطرہ محسوس کیا تو بجائے جوابی کاروائی کے اس نے خاموشی کے ساتھ اپنے اس قدر ناشناس آقا سے روگردانی کی اور اس کی مزید خدمت گذاری سے معذرت کی۔ کسی صورت میں بھی اس کے دل میں بغاوت کرنے اور تخت شاہی پر قبضہ جمانے کا خیال نہیں آیا۔

ایک بار پھر شمالی ہندوستان میں مرہٹے نمودار ہوئے اگرچہ نجیب ان دنوں عملی زندگی سے کنارہ کش ہو چکا تھا مگر بہ امر مجبوری ایک بار پھر وہ میدان میں اگیا وہ یہ جانتا تھا کہ اس میں مزید اتنی سکت باقی نہیں رہی کہ ان کا مقابلہ کر سکے اور نہ وہ مزید کسی بیرونی امداد کا سہارا لے سکتا تھا۔ اس لئے اس نے مجبوراً مرہٹوں کا ساتھ دیا۔ پھر جونہی اس جاٹ راجا نول سنگھ کو انہوں نے شکست دیدی تو اس کے بعد دوابہ پر حملہ آور ہوئے۔ نجیب ان کے ذریعہ سے چاہتا تھا کہ مغل شہنشاہ شاہ عالم کو دہلی واپس لا سکے یہی اس کے لئے بے حد خوشی کا موقع ہو گا اس میں اسے مرہٹوں کی امداد کی ضرورت تھی۔

اس نے مغل بادشاہ کو ایک خط میں یہی کچھ لکھ ڈالا کہ میں اپنے مرنے سے پہلے اس بات کا آرزو مند ہوں اور میری خواہش یہی ہے کہ جناب والا کو ایک بار پھر اپنے نام آور بزرگوں کے سریر و مسند پر رونق افروز دیکھ سکوں اس وقت کے دوسرے افغان سرداروں نے اس بات کو پسند نہیں کیا اور اس کا غلط تاثر قائم کیا اور اس کا اپنے اقارب کی بجائے کفار سے تعاون کرنے پر اسے ملامت کیا۔ مگر نجیب کوئی غدار نہیں تھا کہ اپنے افغانوں کی مخالفت میں یہی کچھ کرتا۔ بلکہ وہ حقیقت پسند تھا اور بے جا راستہ روکے رکھنے کے انجام سے باخبر تھا وہ سیاسی ہنر مندی سے یہ چاہتا تھا کہ باہمی رضامندی کی کوئی راہ نکال سکے اور امن قائم کر سکے۔ بر خلاف اس کے کہ تباہی اور بربادی کے لئے راستہ ہموار کرے۔

جو خطرہ اب مرہٹوں کی جانب سے وقوع پذیر تھا اور بیرونی امداد کی مزید کوئی صورت نہیں بن سکتی تھی اس لئے وہ یہی کچھ محسوس کرتا تھا کہ اس کا انجام ان سب کے لئے نقصان دہ ہو گا۔ اگر وہ خود کچھ عرصہ کے لئے مزید زندہ رہتا تو بہت اغلب تھا کہ وہ اپنے اس کوشش میں کامیاب ہو جاتا۔ اور اس طرح افغانوں کی ایک پائیدار دولت مشترکہ کی بنیاد رکھنے میں بھی کامیاب ہوتا اور ایک بار پھر مرہٹوں کو واپس دکن کی طرف دھکیل دیتا۔ مگر افسوس اس بات کی ہے کہ وہ اپنے اس مقصد کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے مزید زندہ نہیں رہا۔ اس کی بیماری روز بروز بڑھتی گئی اور تیس اکتوبر 1770ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔

اس کا آخری کارنامہ جادو ناتھ سرکار نے کچھ یوں بیان کیا ہے کہ اس نے اپنی فوج کے نام پہ حکمنامہ جاری کیا تھا کہ جو یاتری دریائے گنگا ہیں اشنان کرنے گڑھ مکشو کے گھاٹ پر جمع ہوتے ہیں ان پر کسی قسم کا تعرض نہ کریں اور ان کے پاس سے خود کو دور رکھیں۔ اسی گھاٹ پر اس کی فوج کا کیمپ بھی تھا۔ اور وہیں پر ہندوں کا میلہ بھی لگتا تھا۔

اس طرح ان دس سالوں میں ہندوستان کی سب سے طاقتور اور عظیم شخصیت اس دار فانی سے رخصت ہو گیا۔ اور اسکا قصہ تمام ہو گیا۔

مختصر تبصرہ

نجیب یوسفزیٔ افغان قبیلہ کے موضع مانیریٔ (ضلع صوابی) کے عمر خیل گھرانے کا ایک کمزور ان پڑھ اور محنت کش فرد تھا۔ وہ ایک بے حد معمولی حیثیت سے تن تنہا بے یارو مددگار شخص کہ نہ تو اس کا کوئی ساتھی اور طرفدار تھا اور نہ ہی کوئی دوست اور آشنا۔ وہ اسی حالت میں ہندوستان جا پہنچا یہ نوجوان پہلے پہل روہیلہ نواب علی محمد خان کا ملازم ہوا۔ اوائل میں وہ ایک نچھلے درجے کا پیادہ سپاہی رہا۔ اور محض روٹی روزی پر ملازم تھا۔ مگر بالآخر اپنی اہلیت اور مردانگی اپنی سوجھ بوجھ اور اعلی کردار و عمل کی بدولت نجیب خان اپنے وقت کے اعلی ترین مقام تک جا پہنچا۔ اور دہلی کے مغلیہ سلطنت کا امیر الامراء بن گیا۔ وہ تمام مغلیہ سلطنت کا مدار لمہام ٗ سپہ سالار عساکر تھا اور بالآخر اس کی قسمت کا مختار بن گیا۔ اس کی اعلی فوجی فراست اور معاملہ فہمی اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اس کی ژرف نگاہی اور فکر رسا کی بدولت اسکا ان تمام معاملات کے عواقب و نتائج پر اس کی کڑی نظر اور اسی بارے میں اس کی دور بین نگاہی جو کہ اس زمانہ کے ساتھ وقتاً فوقتاً عود کر آتے تھے۔ اور ضرورت کے مطابق اقدامات کرنے کا فطری سلیقہ اور صحیح انداز میں اس سے اس کا نبٹنا اس زمانے میں ماسوائے افغان بادشاہ احمد شاہ ابدالی کے اس کا کوئی اور ہمسر نہیں تھا۔ اس کا جاٹوں ٗ مرہٹوں اور سکھوں کی یورشوں اور حملوں سے دہلی کے شہر کا کامیابی سے دفاع کرنا اور جواہر سنگھ کی فوج کا راستہ روکنا اور سکھوں کا مسلسل تعاقب کرنا اور اس طرح پیادہ فوج اور توپخانہ کی امداد کے بغیر بوانا کے مضبوط سفالی

قلعہ پر اس کا چڑھ دوڑنا اس کی سپہ گیری کے کمال اوراعلی معیار کا ثبوت ہے۔ وہ اایک زیرک قائد اور سپہ سالار کی حیثیت سے اپنے وقت کی تین قسم کی جنگوں کی بے انداز مہارت رکھتے تھے۔ اس بارے میں کسی مورخ کے لئے یہ مشکل ہو جاتا ہے۔ کہ اس کی کونسی حیثیت کو اولیت اور فوقیت دی جائے۔ پھر ایک قائد اور راہنما کی حیثیت میں اس کی قابلیت، معاملہ فہمی اور بالغ نظری جو کہ قدرت نے اس کی لاشعور کا حصہ بنا دیا تھا اور جو ناامیدی کے اندھیروں میں اس نے اپنا مشعل راہ بنا رکھا تھا اور جس نے اسے گوناگوں کامیابیوں اور کامرانیوں سے ہمکنار کیا تھا۔ اور جس کی بدولت وہ اُسی راہ پر گامزن رہتا جو صائب اور سود مند ہوتا اور جو اسے کامیابی اور کامرانی کی منزل سے ہمکنار کرتا۔

اس کی زندگی کے آخری آٹھ سال اس کی مسلسل بیماری اور نئے دشمنوں کے سر اُٹھانے میں جیسے جاٹ اور سکھوں کے ساتھ جنگ کے نذر ہوگئے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب وہ درانیوں کی امداد واعانت سے بھی محروم رہا مگر با این ہمہ پھر بھی وہ دشمن کے خلاف ثابت قدم رہا۔ اس نے اپنے علاقہ ہیں امن وامان کے ساتھ اعتدال کی حکمرانی کی۔ اور اسی کی بدولت اس نے اپنی دولت وثروت کا خزانہ بھر دیا تھا۔ اپنی یہ دولت اس نے لوٹ کھسوٹ سے حاصل نہیں کی تھی یہ محض اس کی وہ جائز کمائی تھی جو مالگذاری اور لگان سے اسے ہاتھ آئی تھی جادوناتھ سرکار کے مطابق اس نے اپنے قائم مقام ضابطہ خان کو جو کہ اس کا بڑا فرزند تھا شمالی ہندوستان کے اس جاٹ مہاراجہ کے بعد دوسرے نمبر پر سب سے زیادہ دولت مند اور صاحب ثروت شخص بنا دیا تھا۔

نجیب الدولہ پر اہل نظر کی رائے زنی

ایک میانہ رو اہلیت کا شخص جو مسلسل اپنے ایک ڈگر پر گامزن رہتا ہے ممکن ہے کہ وہ سیاسی عمل میں کامیابی اور کامرانی کی منزل تک جا پہنچنے میں کامیاب ہو جائے اور ایک نابغہ عصر جوہر جائی بنتا پھرے وہ ناکام و نامراد پیچھے رہ جائے۔ مگر نجیب الدولہ کوئی دوسرے درجے کی شخصیت کا ملک نہیں تھا اس کی عظمت کا بین ثبوت اس کے اپنے شخصی کردار کی خوبی اس کی یکسوئی اور وہ جوانمردی رہی جس کے ذریعے سے وہ اپنے مقصد کی جانب اپنا راستہ بناتا گیا۔ وہ بغیر کسی تجربہ یا تربیت کے ہندوستان میں وارد ہوا تھا۔ نہ تو اس کے ساتھ کسی قسم کے وسائل و ذرائع تھے او نہ ہی کس یار دوست کی رفاقت اسے حاصل رہی۔ اس کی بچپن کے بارے میں بھی وثوق کے ساتھ کچھ معلوم نہیں۔ مگر اس نے خود کو اس موقع پر آشکارا کیا جبکہ اس نے بڑی پامردی کے ساتھ اس غرض سے دہلی جا پہنچنے کا ارادہ کیا کہ وہاں پہنچ کر وہ مغل شہنشاہ کی طرفداری کر سکے۔ وہ تمام مشورے اس نے پوری انہماک اور غور سے سنے جو کہ اس کے پیشرو روہیلوں نے اس کے گوش گذار کیئے۔ مگر ان کے یہ تمام مشورے محض ان کی خود غرضی اور نامرادی کی بنا پر تھے۔ وہ ان سے اٹھ کر دور جا بیٹھا اور ایک درخت کے سائے میں علیحدگی میں سوچنے لگا۔ اس نے اپنا فیصلہ اس بات کے حق میں خود کو سنایا کہ اسے ہر صورت میں دہلی جا

پہنچنا ہے۔ یہ یقیناً اس کے لئے ایک ایسا مسئلہ بن چکا تھا کہ اسے گو مگو کی کشمکش سے دو چار کر رکھا تھا۔ اس کے سامنے اب یہ مسئلہ درپیش تھا کہ اپنا فرض پورا کرنے اور آرام سے بیٹھے رہنے میں کونسا راستہ اپنائے۔ عین اس وقت اس نے یہ مصمم ارادہ کر لیا کہ اس کا منزل دہلی ہونا چاہئے وہاں اسے پہنچ جانا چاہئیے۔ اس نے اپنی قسمت اب دہلی کے ساتھ جوڑ دی تھی اور تخت یا تختہ اب اس کا مقدر تھا۔

وہ ایک ایسا نابلد اور ناآشنا سیاست کار طالع آزما تھا جو کہ ایک ایسے میدان میں نیا نیا داخل ہونے لگا تھا جس کا نہ تو اسے کوئی تجربہ تھا اور نہ تربیت تھی اور نہ ہی وہ کبھی اس راہ کا راہی رہا تھا۔ باوجود اس کے وہ پھر بھی کامیاب اور سرخرو رہا۔ اس کی کامیابی کا راز محض اس کی اپنی خداداد فکری صلاحیتوں مصمم ارادہ اور ارفع و اعلی شخصی کردار کا ثمرہ تھا۔ ان اعلیٰ صفات نے اسے دائمی شہرت سے ہم کنار کیا۔ یہی اس کی کامیابی اور ترقی کا زینہ بنے رہے۔

جب ایک بار وہ دہلی جا پہنچا تو وہاں پہنچتے ہی وہاں کی سیاست میں حصہ لینے لگا۔ مگر اس کا یہ جذبہ عسکری نوعیت کا نہیں تھا بلکہ یہی کچھ اس کی متلون اور بے قرار طبیعت اور جذبے کا تقاضا اور اسکو طمانیت بخشنے کے لئے ضروری تھا۔ اگرچہ وہ میدان کارزار کا دھنی اور شوقین رہا اور ان مخدوش ایام میں اپنے اس وہی جذبہ کے ساتھ کہ عام لوگ تو جنگ و پیکار سے دلبرداشتہ اور گریزاں تھے۔ اور وہ جدال و قتال کی تباہ کاریوں سے خوفزدہ تھے مگر اس حال میں اس کی دہلی میں اس کی موجودگی کچھ عجیب سی دکھائی دیتی ہے۔

دہلی کی سیاست میں اس کی مداخلت کی ابتدائی ایام سے لیکر اس کی باقی ساری زندگی مسلسل جدوجہد اور کش مکش سے عبارت رہی۔ یہ گوناگون مسائل سے اس کے نبرد آزما رہنے کی ایک طول طویل داستان بن گئی۔ جوں جوں وقت گذرتا گیا اس کی فکر و فہم میں پختگی اور کردار و عمل میں شائستگی بڑھتی جاتی رہی۔ اور اس بات پر اس کا پختہ یقین ہو چلا تھا کہ جس راہ پر وہ چل نکلا ہے یہ اس کو کامیابی اور کامرانی سے ہمکنار ہونے کے لئے صائب اور موزون راستہ ہے۔ وہ دہلی میں مغل شہنشاہ کی ملازمت کی غرض سے وہاں آیا تھا۔ اس امید پر کہ اپنی خدمت گذاری' وفا شعاری اور دیانتداری سے کچھ تو سلطنت کی اس گرتی دیوار کو سہارا دے سکے اور اس روبہ زوال حکومت کو مضبوط کر سکے۔ اپنی ساری زندگی میں وہ فقط اس بات کا آرزو مند رہا۔ اور سیاسی ناہمواری کے ایام میں آخر دم تک یہی الاؤ اس کے دل میں روشن رہا تھا۔ اگر ملک میں امن امان اور سکون ہوتا تو خدا جانے اس کا راہ عمل اس نوع کا ہوتا بھی اس کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔ مگر کچھ بعید کہ نہیں وہ جہاں بھی ہوتا اور جس کسی کے پاس بھی ہوتا وہ اپنا راستہ بنا لیتا اور اپنا حتمی کردار اس میں ادا کرتا۔ اس کی زندگی کی سختی اور کشاکش نے اسے ایک پختہ کار مرد میدان ایک شمشیر زن سپاہی' مدبر سیاستدان اور اعلی درجے کا منتظم بنا دیا تھا۔ مسلسل ناہمواریوں اور پیچیدگیوں کی بدولت اس کے اپنے وہبی خواص اس میدان میں قدم بہ قدم اس کے رہبر اور رہنما رہے۔ اور اسے کسی کی محتاجی اور رحم و کرم پر نہیں چھوڑا۔

اوائل میں وہ عمادالملک کے ساتھ رہا۔ اسکی زندگی کی یہ پہلی چوک تھی۔ اس نے اپنے لئے ایک ایسے آقا کا انتخاب کیا جو آخر میں اس کے آگے ایک غدار اور شاہی

خانوادے کے قاتل کی صورت میں نمودار ہوا۔ نجیب کو عماد کی یہ نمک حرامی دکھائی دی۔ اس کے بعد عماد کے اپنے دوستوں اور احباب سے اس کی بدسلوکی' سرد مہری اور بے اعتدالی کے رویے کچھ ایسے رہے کہ اس کے دوست دشمن سبھی اس کے لئے ایک جیسے تھے نجیب خود ایک راست باز اور کھری شخصیت کا مالک تھا۔ اس کے ارادے نیک اور نیت صاف ستھری تھی۔ اس لئے بہ امر مجبوری اس نے عماد کے ساتھ قطع تعلق کو فوقیت دی۔ عماد ہر طرح سے اس بات میں مگن رہا کہ مغل شہنشاہیت کو زک پہنچائے۔ اس کے برعکس نجیب اسے دوام دینے کا خواہشمند رہا۔ اس کے خیال میں ہرگز یہ بات نہیں آئی تھی کہ وہ کسی طرح بھی کسی ایسے اقدام کا مرتکب ہو جائے کہ شاہی گھرانے کی جانب سے اس پر نمک حرام ہونے کا کسی قسم کا دھبہ لگ جائے یہی وجہ تھی کہ وہ ہرگز کسی ایسے شخص کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا جس کے ہاتھوں شاہی خاندان کی سبکی اور تذلیل کا کچھ بھی شائبہ ہو سکتا تھا۔

اپنے ظالم ساتھیوں اور خطرناک دشمنوں کے گھیرے میں رہتے ہوئے خالی ہاتھ کسی خاندانی وجاہیت اور طاقت کے سہارے کے بغیر اور کسی نام واحتشام کے پس منظر سے نا اشنا اس افغان جوانمرد روہیلہ جوان نے اپنا راستہ ایسے کھرے اور صاف ستھرے انداز سے نبھایا کہ اپنی جرات وہمت کو ایک زمانہ انگشت بہ دندان کر دیا۔ اس کی صاف دلی' اعلی کردار اور اپنے مقصد کو حاصل کرنے کی لگن اور اس کی خاطر اس کا عزم راسخ اور اس کی عالی ظرف شخصیت اس کے ہمراہی رہے۔ اس کا یقین محکم اور قوت ارادی اس کھرے اور سادہ روہیلہ افغان کے اصل جوہر تھے۔ وہ ایک ایسی شخصیت کے مالک تھے کہ کسی بھی موقع پر اس نے اپنے وقتی فائدہ کے پیش نظر اپنے اصول ہاتھ سے

نہیں جانے دیئے۔ اس کی نظر میں جو کچھ بھی صحیح آتا اور اسے یہ یقین ہو جاتا کہ اس کا حصول سر کی قربانی کے عوض بھی مہنگا نہیں ہے وہ اسکے لئے اپنے سر کی قربانی دینے سے بھی دریغ نہ کرتا۔ جس وقت ملہار راؤ مرہٹہ نے اس سے یہ مطالبہ کیا کہ اگر گائے ذبح کرنے پر پابندی لگالی جائے تو اس میں اس کا فائدہ ہو گا اور اسطرح رگوناتھ راؤ جو اس کی تباہی کی نیت سے دکن سے چلا آیا ہے اس سے ہاتھ کھینچ لے گا۔ نجیب نے اسے دو ٹوک انداز میں جواب دیا کہ یہ ایک دینی معاملہ ہے میں اس میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔

ہو سکتا ہے کوئی نجیب کے اس فیصلہ سے متفق نہ ہو اور اس میں شک کی گنجائش بھی نہ ہو کہ ایسا کہنے میں اس پر الزام لگ سکے مگر وہ ہرگز اسے تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا کہ کوئی غیر اس پر اپنا حکم چلائے۔ اور اس کے ماننے کے لئے وہ اپنا سر تسلیم خم کر دے۔ اور اسے یہ بات سمجھائے کہ کونسی بات اس کے لئے بہتر ہے اور کونسی نقصان دہ ہے۔ وہ اپنے ذاتی معاملات میں کسی اور کی مداخلت ہرگز برداشت کرنے کو تیار نہیں تھا۔ پھر جب اس کو دہلی کے محاصرہ کے دوران رقم کی ضرورت پڑی اور کسی نے اسے یہ مشورہ دیا کہ شہر کے متمول اشخاص سے جبری قرضہ لینے کا اہتمام کیا جائے تو نجیب نے بڑی سختی سے اس تجویز کو رد کر دیا اس لئے کہ اس وقت وہ بذات خود بادشاہ کی نمائندگی کرنے پر مامور تھا۔ اور اپنی رعایا کے ساتھ وہ کسی نوع کی زیادتی کرنے کے حق میں نہیں تھا۔ وہ بے حد دیندار شخصیت کا مالک تھا۔ اور خود کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی مرضی کے تابع رکھا۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے اپنے آپ کو جہد مسلسل سے غافل بھی نہیں رکھا اور اس میں ہمیشہ کامیاب و کامران رہا۔

نجیب ساری عمر اپنی بقا کے لئے غیر مسلم راجوں مہاراجوں سے بر سر پیکار رہا۔ مگر اس کے باوجود اس کے دل میں کبھی اس کی اپنی ہندو رعایا اور اپنے دوستوں کے خلاف کدورت اور نفرت پیدا نہیں ہوئی۔ اور نہ کسی کو اس بات پر قابل مواخذہ سمجھا کہ اس کے کسی خیال کے ساتھ اتفاق نہیں کرتا۔ نہ ہی اس نے کبھی کسی کمزور اور مظلوم پر ہاتھ اُٹھایا یا اس پر کسی قسم کی زیادتی کا مرتکب ہوا۔ یہ ضرور تھا کہ کبھی کبھار وہ سخت گیر بھی ہو جاتا مگر اکثر و بیشتر اس میں برداشت اور تامل کا مادہ موجود رہتا اور ہمیشہ اسی کوشش میں رہتا کہ اپنے مسائل گفت و شنید سے حل کرے اور لڑائی جگڑے تک نوبت نہ پہنچ سکے۔

وہ بے حد حقیقت پسند شخصیت کا مالک تھا اور پوری ژرف نگاہی سے اس بات کا خیال رکھتا تھا۔ اپنی کامیابیوں اور کامرانیوں نے اسے خود سر نہیں بنایا تھا۔ اس کے زمانے میں اس کے برابر کی فقیر منش مگر باوقار کوئی دوسری شخصیت موجود نہیں تھا۔ وہ بے حد نرم خو اور مصمم ارادے کا مالک تھا۔ رحمدل' غریب پرور اور سخی ہونے کے ساتھ ساتھ سخت گیر' بااصول اور پابند ضوابط بھی رہا۔

افسوس اس بات کی ہے کہ ہمیں اس کی ذاتی زندگی کے بارہ میں بہت کم معلومات دستیاب ہیں۔ سوائے اس کے کہ وہ ایک مہربان اور وفا شعار شوہر تھا۔ ایک ایسے دور میں جبکہ اونچے گھرانوں کے اکثر لوگ ہر نوع کی بدکاریوں اور عیاشوں میں ملوث رہے۔ نجیب کی زندگی بے داغ رہی۔ کوئی ایسی بات جو بد نامی کا سبب بنتی اس کے نام کے ساتھ کبھی منسوب نہیں ہوئی جو اس کو انگشّت نما کر دیتی اسکا بین ثبوت اس دور

کے روحانی پیشوا حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا اس کو رئیس المجاہدین اور رئیس الغزوات کے برگزیدہ القاب سے یاد کرنا ہے۔

نجیب اپنی زندگی کے آخری ایام میں کچھ ایسے حالات سے گذرا کہ ہر طرف ظلم و جبر کا راج پھیلتا گیا اور جونہی وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ مغل شہنشاہ شاہ عالم جس کے لئے اس نے بے حد و حساب سختیاں جھیلیں تھیں اپنی شہر بدری کے ایام میں باوجود یہ کہ اس کا زندہ و سلامت رہنا اور اس کی آزادی ہر دو نجیب کی مرہون منت رہے اور دارالحکومت دہلی سے اسے ایک محفوظ مقام تک پہنچانے کا تمام بندوبست بھی خود نجیب نے کیا تھا وہ ناشکرا مغل بادشاہ پھر بھی اسے شک کی نگاہ سے دیکھتا رہا اور اس کے خلاف سازشوں میں مصروف رہا۔ گو کہ وہ عملی زندگی سے دستبردار ہو چکا تھا اور اپنے سبھی اختیارات اپنے بڑے بیٹے ضابطہ خان کو منتقل کر چکا تھا اور اپنے اس اقدام سے بادشاہ شاہ عالم کی والدہ ملکہ عالیہ اور خود شہنشاہ کو بھی آگاہ کر چکا تھا۔ مگر اس کے تحریر کردہ ان دو خطوط سے اگرچہ اس کی افسردگی اور خفگی ظاہر ہوتی ہے۔ ان میں پھر بھی کوئی معمولی سا اشارہ ایسا نظر نہیں آتا جو اس کا شاہی گھرانے کے کسی فرد کے ساتھ اس کی بے وفائی کی غمازی کرتا ہو۔ وہ لکھتا ہے کہ

"اس خادم نے آج تک خانوادۂ تیمور کے ساتھ اپنی وفاداری اور مکمل نمک حلالی کا پورا پورا حق ادا کیا ہے۔ ان کے سبھی خدمات کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی یا تساہل سے کام نہیں لیا۔ جو کچھ بھی اس خادم سے بن پڑا اسے پوری وفاداری اور حق شناسی سے سرانجام دیا۔ اور آج تک پورے خلوص اور جانفشانی سے شاہی عملداری کی

حفاظت کی ہے۔ اور جس قدر ممکن تھا ان تمام اقدامات میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھا۔ مگر اب مزید ملکہ عالیہ اپنے اس خادم کو در گذر فرمائے اور اس سے مزید کسی ایسی کارگزاری کی امید نہ رکھے جو کہ وہ تکمیل تک پہنچانے سے قاصر ہو۔

سکھ جتھے ملک میں پھیل چکے ہیں اور انہوں نے گردو پیش کے تمام قبائل کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے کہا ہے۔ وہ اس کی کمزوری کو بھی جان چکے ہیں اور اس جانب اشارہ بھی کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس خادم کو بیچ سے ہٹا دیں اس لئے ملکہ عالیہ بعد ازیں اپنے اس خادم کو اس قابل نہ سمجھے کہ وہ یہیں پر اپنی ذات کی بھی کچھ حفاظت کر سکے گا۔ اس لئے اگر وہ اس عاجز کی اس تجویز سے کس قسم کی اتفاق کرے گی تو یہ خادم خود پر یہ لازم جانے گا اور اس موقع پر بھی وہ اس کے لئے آمادہ ہو گا کہ سارے شاہی خاندان کے ہمراہ ان کی رفاقت میں شامل ہو جائے۔ اب بھی گیا گذرا کچھ نہیں اس مقصد کو سر انجام دینے میں اب بھی وقت باقی ہے۔ اس کے ساتھ ان تمام معاملات کی تصفیہ میں جو دونوں کے درمیان متنازع رہے ہیں ان میں بھی یہ خادم جس قدر ممکن ہو گا ملکہ عالیہ کی سختی سے طرفداری کرے گا اور جب اس سے مزید نہ بن پڑے پھر ان کے ہمراہ ان کی معیت میں ان کے فرزند کے دربار میں بھی حاضر ہو گا۔ ان تمام باتوں کو بھی یہ خادم ماننے پر آمادہ اور مستعد رہیگا۔ اور کوئی یہ اسے ہرگز نہیں کہہ سکے گا کہ وہ اس خدمت کو انجام دینے سے قاصر رہا ہے۔ اور جو کچھ درپیش تھا اس سے پہلو تہی کی ہے۔"

ایک اور خط میں جو اس نے کوئی چھ ماہ بعد تحریر کیا تھا نجیب الدولہ نے پھر معذرت کا اظہار کیا تھا۔ اور اپنے آپ میں حالات کا مقابلہ کرنے کی سکت نہ رکھنے کی بات دہرائی ہے۔ اس نے لکھا ہے۔

"اس وقت تک میں نے نوجوان شہزادوں اور ملکہ عالیہ کے ساتھ اپنی وفاداری اور ان کی طرفداری کے سبھی اقدامات میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھا ہے۔ مگر میں اب خود کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ اپنے یہ فرائض جو کہ ان کی حفاظت کے لئے لازم ہیں کو احسن طریقے سے نباہ سکوں اب چاہیئے کہ ملکہ عالیہ اپنی شاہی توسط سے اپنے دارالحکومت تک مراجعت کرنے کے کچھ اقدامات کرے اور اپنی ناموس کی تحفظ کا خود کچھ نہ کچھ بندوبست فرمائے آپ کا یہ منصبدار موجودہ حالات میں اس بات کا اہل نہیں رہا کہ اس ذمہ داری کو نباہ سکے"۔

پھر بھی جب مرہٹوں نے ایک بار پھر شمالی ہندوستان کا رخ کیا اور اس طرف اگے بڑھے اور 1770 میں حملہ آور ہوئے۔ تو اس بوڑھے شیر کو ایک مرتبہ پھر جگا دیا۔ ان آیام میں وہ ابھی مکمل طور پر بے حال اور از خود رفتہ نہیں ہوا تھا اور جب کوئی اس کی ان مستحکم اقدامات پر نگاہ دوڑاتا اور اس کی ذہانت اور معاملہ فہمی اور تصفیہ طلبی کے انداز کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کے عملی اقدامات کرنے اور اس کی صحت کی معذوری کی تضاد کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔ اس کی پوری تندہی اور دلیری سے مرہٹوں کا راستہ روکنے کا عمل جو کہ اس غلط فہمی میں رہے کہ وہ کسی خوف و خطر کے بغر شیر کے دم پر پیر رکھ کر گذر جائیں گے۔ نجیب کو خود میں اس آگ کی شدت اور گرمی

ایک بار بھی دکھائی دی جس کا الاؤاب تک اس کے سینے میں روشن تھا۔ اس نے مرہٹوں سے کہا تھا کہ میں اگراوندھے منہ زمین پر پڑا ہونگا پھر تم سے نبٹ سکتا ہوں۔

اسے اس کی کم نصیبی جانیئے کہ نورالدین اور درگا داس کی مختصر تذکروں اور تحریروں کے علاوہ کسی اور نے اس سے زیادہ کچھ تحریر نہیں کیا نجیب ایک ایسی شخصیت تھی کہ نہ تو کوئی شاعر اور نہ ہی کسی مورخ نے اس کے بارے میں مزید کچھ کہنے لکھنے کی زحمت گوارا کی۔ اوراس کے کارناموں کا مفصل ذکر اذکار کہیں اور دستیاب نہیں ہے۔ باوجود اس کے کہ کسی اور کا کردار اس کی ہمسری اور برابری نہیں کر سکتا اور نہ کوئی اس قدر تعریف اور ستائش کا مالک گذرا ہے۔

نجیب اپنے وقت کا وہ دلیر سپاہی اور مرد میدان تھا جو اپنی ساری زندگی میں مسلسل کشمکش اور جنگ و پیکار میں مصروف رہا۔ نہ تو خود وہ لکھنے پڑھنے سے آشنا رہا اور نہ ہی اس کو اتنی فراغت اور فرصت میسر تھی کہ کسی شاعر یا وقائع نگار کی سرپرستی کرتا یا وہ کسی مورخ کو اپنے پاس اس غرض سے بٹھائے رکھتا کہ اس کے سبھی کارنامے قلمبند کر سکے۔ پھر بھی اس کے دور کے چند ایک ہمعصر ایسے گذرے ہیں کہ کچھ نہ کچھ صحیح یاداشتیں لکھ چھوڑی ہیں اور ان کے رشحات قلم نے کچھ ایسی توصیفی کلمات اسکے بارے میں لکھی ہیں جو نجیب کے کارناموں کا داد دیتی ہیں۔ بس یہی کچھ اس کا اندوختہ رہا ہے کہ اتنے لمبے عرصہ کہ گذر جانے کے باوجود بھی ہر کوئی اس کی برتر اور عظیم شخصیت اور اعلی کردار کی تعریف و توصیف کرتا ہے۔

ایک ایسی شخصیت جو کہ ایک معمولی پیادہ سپاہی اور جمعدار کی حیثیت سے جا کر امیر الامراء کے مقام تک پہنچا اور دہلی کی مغلیہ سلطنت کے تمام سیاہ و سفید کا مالک بنا ہو اور پورے دس سال تک وہ بلا شرکت غیرے اپنے اس اقتدار کی چوکی پر قابض رہا ہو۔ وہ روہیلہ افغان نوابوں، سرداروں، اور امراء کا ایک آخری نامدار اور باکمال انسان تھا جو کہ ایک بے مثال مرد میدان، جری سپاہی اور مدبر سیاستدان روہیلہ افغان کی حیثیت سے ہندوستان کے افق پر ایک چمکتا ہوا ستارا بن کر نمودار رہا۔ وہ روہیلہ افغانوں کی ہمت اور مردانگی کا مجسم پیکر تھا۔

مختصر یہ کہ نجیب خان کے بارے میں ان تین حوالوں سے جو کہ اسکے دور کی تحریروں میں محفوظ ہیں اگر ان سب کو اکٹھا کیا جائے یہ اس لئے کہ ان کے علاوہ کوئی اور تذکرہ اس قدر صائب اور قابل اعتبار نہیں ہو سکتا۔ جو کچھ کہ اس وقت کی ان تحریروں میں لکھا گیا ہے غیر جانبداری پر مبنی ہیں یہ وہ ہیں جن کو یہ موقع میسر تھا کہ اس کے بارہ میں کسی مصلحت کے بغیر اپنا بیان قلمبند کر سکیں۔

نجیب الدولہ کے مقبوضہ علاقوں کے حدود مغرب کی طرف سرہند سے لیکر دریائے جمنا کے کنارے کنارے دہلی سے تقریباً سات کوس آگے مشرق کی طرف تمام جزیرہ نما کے خطہ سے آگے کی طرف شمالی دریائے گنگا کے اوپر نواب حافظ رحمت خان اور دوندے خان کی عملداری کے مغربی حدود تک جا پہنچے تھے۔ اس کے ساتھ دہلی کے حدود میں واقع چند ایک اور اضلاع بھی اس کی تحویل میں رہے۔ یہ اضلاع دریائے جمنا کے جنوب میں واقع تھے۔ اتنے بڑے علاقے کا مالیہ اور لگان جو پیداوار اور آمدنی کے لحاظ

سے ملک کا ذرخیز اور متمول حصہ تھا مگر جو مسلسل جنگ وجدال اور بدامنی اور مرہٹوں اور سکھوں کے لوٹ کھسوٹ کا تختہ مشق بنا رہا۔ اور پھر احمد شاہ ابدالی کے حملوں نے بھی اسے پامال کرر کھا تھا اور یہ علاقہ اب خواری اور ناداری سے ہمکنار ہو چلا تھا اور اسی نوے لاکھ سے زیادہ کے وصولیابی کے قابل نہیں رہا تھا پھر بھی اس کا خزانہ کبھی اس قابل نہ ہوا کہ یہ خود کفیل بن سکے وہ عرصہ دراز تک اپنے خاندان اور حوالی کی حفاظت کرتا رہا۔ اور سکھوں اور دوسرے حملہ آور مخالفین کا مقابلہ کیا اور ان کی تدارک میں مصروف رہا۔ ایک بار اس کا بہتیرہ اندوختہ بطور مالی امداد و اعانت کے اس نے احمد شاہ ابدالی کے نذر کیا تھا۔ حالانکہ 'اس کی اپنی فوج تقریباً 20000 سوار یا اس سے کچھ زیادہ پر مشتمل رہی۔ اور چونکہ وہ دائمی جنگ وجدال میں لگا رہتا اس لئے اس کے لشکری بھی جنگ آزما سر فروش ہوتے وہ باقاعدگی سے ان سب کی کفالت بھی کرتا ایک میر عساکر اور شاہزادے کی مانند وہ غالباً ہندوستان میں ایک ایسی مثالی شخصیت رہی ہے جو اپنی وہبی صفات اور اعلیٰ کردار و ناموس کی بدولت بہت اونچے مقام و مرتبہ کا حقدار رہا ہے۔

اس نے خود کو چالیس سوار کے معمولی سی حیثیت سے اس اعلی ترین عہدے تک پہنچا دیا تھا یہ تمام تر اسکی اپنی کاوش اور مردانگی 'اسکی دانائی' فکر رسا اور یقین محکم کا ثمرہ تھا۔ اس نے اپنے آپ کو اپنے نابغہ صفات سے منوایا تھا اور ہر کسی نے اس کا اعتراف کیا۔ اسکی اپنی غیر متزلزل' مضبوط اور مستحکم پالیسی اور اس کی تدبیر و تدبر نے اسے کامیابیوں اور کامرانیوں سے ہمکنار کیا تھا۔ اسے اپنے تجربہ اپنی سمجھ بوجھ اور فہم و ذکاء نے اس کے ناخواندہ ہونے کی اس کی کمی اور محرومی کو پورا کرر کھا تھا۔ اور اس کی شخصی شائستگی اور عالی ظرفی نے اس کی خاندانی کم مائیگی اور بے چارگی کو استحکام بخشا تھا۔

وہ نہ تو مغلیہ خاندان کا کوئی شاہزادہ تھااور نہ ہی اس طبقہ کے ساتھ کسی قسم کا قریبی رشتہ یا تعلق رکھتا تھا وہ ایک سیدھا سادہ روہیلہ افغان تھا۔

نجیب سختی کے ساتھ انصاف کا طرفدار رہا۔ وہ مغل شہنشاہ کا دل و جان سے وفادار اور حمایتی تھا۔ اور اس کی ذکا اور سمجھ بوجھ اور اس کا عمل سب احمد شاہ ابدالی در دران کی حمایت کرنے اور اس کا ساتھ دینے میں آشکارہ ہوگئے۔ وہ ہمیشہ اس سوچ میں رہا کہ اس کا ساتھ دے یا اپنا یہ ملک کسی بڑی بربادی اور آفت سے ہمکنار کردے۔ اس لئے اسے جو کچھ کرنا چاہئے تھا وہی کچھ کر دکھایا۔ پھر بھی اس نے اپنے تمام عزائم اور ارادوں کو صیغہ راز میں رکھا اور مکمل رازداری میں کچھ ایسے اقدامات کئے کہ اس نے ابدالی کا رستہ بھی روکے رکھا۔

چند مہینے گذر جانے کے بعد جب احمد شاہ ابدالی کو اپنی فوج کو ان کا مشاہرہ ادا کرنے میں مشکلات در پیش ہوئے اور یہ خطرہ ظاہر ہونے لگا کہ وہ یا تو سرکشی اختیار کر لیں گے اور یا پھر لوٹ مار کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے نجیب نے اس کا حل نکالا مزید یہ کہ سکھوں کی یورش اور گرمیوں کی آمد اور برسات کے موسم کے شروع ہو جانے کے سبھی عوامل کچھ ایسے تھے کہ بادشاہ اپنے وطن واپسی پر مجبور ہو گیا اور وہی کچھ لینے پر مطمئن ہو گیا جو اس کے اپنے اندازہ سے بہت کم تھا۔

اگر کوئی اور اس قسم کے حالات میں گھر جاتا تو غالباً یا تو وہ اپنی جان گنوا دیتا یا پھر سب کچھ ماننے پر آمادہ ہو جاتا۔ مگر نجیب الدولہ نے اپنے فہم وفراست سے اس پیش آمدہ آفت سے اپنے ملک کو بچالیا۔

"وہ اپنی زندگی کی ساٹھ بہاریں دیکھ چکا ہے۔ اور اس کی استعداد اور قوت وہی نہیں رہی۔ اس لئے کہ نہ تو اس میں وہ جذبہ باقی رہا ہے۔ اور نہ عزم و ہمت - وہ تھک چکا ہے۔ اس کی صحت علیل ہے اور یوں لگتا ہے کی اس کی جگہ بہت جلد اس کا بڑا بیٹا ضابطہ خان لے لے جو کہ اس وقت عمر کی 35 سال کے پیٹے میں تھا اور جو خود بھی اپنے والد کے سبھی صفات سے متصف ہونیکے ساتھ ساتھ وہ اعلی تعلیم و تربیت کا مالک بھی ہے"۔) یہی کچھ اس وقت کے بنگال کے ایک انگریز حاکم نے تحریر کیا ہے (وہ آگے لکھتا ہے کہ

"ان کی تصرف میں تمام علاقہ کی آمدنی کا صحیح تخمینہ کچھ اس طرح ہے۔ کہ اس کی سالانہ آمدنی تقریباً ایک کروڑ کے لگ بھگ ہو گی۔ کہتے ہیں کہ سکھوں کی دراز دستیوں سے گذشتہ تین سال میں یہی کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ اگر وہ اپنے اقدامات میں اپنی ثوابدید سے متبادل ہتھیار استعمال نہ کرتا اور اپنے تدبر اور سیاسی حکمت عملی کو بروئے کار نہ لاتا تو مزید مشکلات میں گھر جاتا"۔

نجیب کا انتقال ایک ایسا سانحہ تھا کہ وہ تمام آبادی جس پر وہ حکمران رہا اس پر بے حد رنجیدہ ہوا۔ اس کی یاد ہندوستان کے بالائی حصوں میں اب تک باقی ہے۔ ایک آزمودہ کار جرنیل کی حیثیت سے اسکا نام اب بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اس نے اپنے علاقہ میں زراعت کو فروغ دیا۔ کاروبار اور تجارت کی حوصلہ افزائی کی اور اس میں ہمیشہ کے لئے خوب دلچسپی لیتا رہا۔ مغلیہ سلطنت میں وہ ایک واحد ایسی شخصیت تھی جو اس قابل تھا کہ مرہٹہ اور سکھ حملہ آوروں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا رہا۔

نجیب الدولہ اپنے نوجوان مغل شہزادہ کے نام سے دہلی کی حکومت کے سبھی اختیارات اپنے ہاتھ میں لے چکا تھا۔ اور یہ وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے۔ کہ ایک روہیلہ افغان جس کی سمجھ بوجھ میں نہ تو کسی قسم کی خامی یا کوئی کمزوری تھی اور نہ ہی اس کے کردار و اخلاق میں کسی نوع کی کجی یا کمی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس اعلی مرتبے تک پہنچنے میں کامیاب رہا۔ اس لئے کہ اس کی ذات میں ایک عالی مرتبت جرنیل اور مدبر منتظم او راعلی کردار کی شخصیت کے سبھی صفات موجود رہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو پختونخوا میں انیسویں صدی عیسوی میں تحریک مجاہدین اور سکھوں کے خلاف سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید کی تمام تر کشمکش کا پس منظر بھی نجیب سے وابستہ رہا ہے۔ سچ ہے جس نے اپنی تاریخ بھلادی اس نے اپنا حافظہ کھو دیا۔

پروفیسر محمد نواز طائر

نجیب الدولہ قدم بہ قدم

قومیت	روہیلہ افغان
قبیلہ	یوسفزئی
خیل	عمر خیل
موضع	مانیریٔ
ضلع	صوابی
نام	نجیب
رتبہ	نجیب خان
خطاب	نجیب الدولہ
روزگار	پیادہ سپاہی نواب علی محمد خان کے پاس صرف دو وقت کی روٹی پر ملازم
پہلی ترقی	جمعدار 1744ء تنخواہ مبلغ پانچ روپے ماہوار
دوسری شادی	دُر بیگم بنت نواب دوندے خان کے ساتھ

سرہند میں	گورنر نواب علی محمد خان کے ہمراہ
جاگیر	نواب دوندے خان کی جانب سے چودہ پرگنے
بڑا معرکہ	کماؤں کی لڑائی 1751ء
کماندار	نواب سعد اللہ خان کی جانب سے اسے ایک ہزار سپاہ کا چارج ملنا
منتظم	سلطنت دہلی کا سیاست مدار
منصب	پانچ ہزاری
خطاب	نجیب الدولہ
ترقی	سات ہزاری اور ایک صوبہ بطور جاگیر
انعام	چار لاکھ روپے نقد اور سپاہی کے لئے روزانہ چار آنے اور سوار کے لئے بارہ آنے شاہی خزانہ سے ادائیگی
باریابی	مغل شہنشاہ کی دربار میں باریابی چھ رختوں کی خلعت اور ماہ مراتب کے خطاب سے عزت افزائی 1753ء
نگینہ	صفدر جنگ کی جانب سے نگینہ کی پیش کش

فوجداری	سہارنپور کا فوجدار بننا
دوندے خان کے لئے مغل شہنشاہ کی جانب سے اس کو مراد آباد، شمس آباد اور بدایوں کے اضلاح کی جاگیر حاصل کرنا	
مراجعت	سہارنپور کو اس کی مراجعت 1754ء
خلعت	احمد شاہ ابدالی در دران کی جانب سے قزلباشی ٹوپی، کمر بند اور جائیگا کے اعزازات
نیابت	دہلی دربار میں احمد شاہ ابدالی کی نیابت (وائس رائے)
خلعت	احمد شاہ ابدالی کی جانب سے خلعت
عہدہ	دہلی میں بخشی کے اعلی عہدہ پر سرفراز ہونا
خطاب	امیر الامراء بنایا جانا
	دوابہ، میرٹھ اور دسنا کے علاقہ جات پر قابض ہو جانا
اختیارات	(ا) ہندوستان کے مغل شہنشاہ کے تمام شاہی اختیارات ہاتھ میں آنا
	(ب) احمد شاہ ابدالی کی جانب سے خلعت اور ایک عربی گھوڑا بطور تحفہ (اکتوبر 1757)

سپہ سالار	(ا) پانی پت کے میدان جنگ کے بائیں ہاتھ کے عساکر کا سپہ سالار بننا (ب) اس جنگ کی تمام تر ذمہ داری کا اپنے سر لینا۔ (ج) مغلیہ سلطنت کی ملکہ عالیہ اور شہزادہ جہاں بخت کے تمام تر شاہی اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لینا (د) دہلی کے مغلیہ سلطنت کو اپنے تصرف میں کرنا اور پورے دس سال تک بلا شرکت حکمرانی کرنا (ح) سلطنت دہلی کا بے تاج بادشاہ بن جاتا (ط) ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کا مدار المہام، سپہ سالار، امیر الامراء اور بخشی بنا رہنا (ی) حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا اسے نجیب کو رئیس المجاہدین، رئیس الغزوات کے برگزیدہ القاب سے فرمانا